ماہنامہ
ہمدرد
نونہال
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM

اشاعت کا ۶۲ واں سال
یادگار : شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید
ماہ نامہ
ہمدرد نونہال
صدرِ مجلس
سعدیہ راشد
مدیرِ اعلا
مسعود احمد برکاتی
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
شمارہ ۹
جلد ۶۲
ستمبر ۲۰۱۴ عیسوی
ذیقعد ۱۴۳۵ ہجری
ٹیلے فون 36620945 — 36620949
36616001 — 36616004
ایکسٹینشن (054 یا 052 یا 066)
ٹیلی فیکس نمبر (92-021) 36611755
ای میل hfp@hamdardfoundation.org
ویب سائٹ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان www.hamdardfoundation.org
ویب سائٹ ہمدرد لیبارٹریز (وقف) www.hamdardlabswaqf.org
ویب سائٹ ادارۂ سعید www.hakimsaid.info
دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰
''ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آیندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف
بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابلِ قبول ہوگی، VPP بھیجنا ممکن نہیں ہے۔''
قرآنی آیات اور احادیث نبوی کا احترام ہم سب پر فرض ہے
سعدیہ راشد پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی سے شائع کیا
سرورق کی تصویر
اَنا عاصم اعجاز، امریکا
ISSN 02 59-3734
قیمت عام شمارہ
۳۵ رُپے
سالانہ (عام ڈاک سے)
۳۸۰ رُپے
سالانہ (رجسٹری سے)
۵۰۰ رُپے
سالانہ (دفتر سے دستی لینے پر)
۳۴۰ رُپے
سالانہ (غیر ممالک سے)
۵۰-امریکی ڈالر

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج سورۂ بقرہ کی دو تین آیات کا ترجمہ سنو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''یاد کرو، اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ وعدہ لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ ماں باپ کے ساتھ، رشتے داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔ لوگوں سے بھلی بات کہنا، نماز قائم کرنا اور زکوۃ دینا، مگر تھوڑے آدمیوں کے سوا تم سب اس عہد سے پھر گئے اور اب تک پھرے ہوئے ہو۔ پھر ذرا یاد کرو، ہم نے تم سے مضبوط عہد لیا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہانا اور نہ ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر کرنا، تم نے اس کا اقرار کیا تھا، تم خود اس پر گواہ ہو، مگر آج وہی تم ہو کہ اپنے بھائی بندوں کو قتل کرتے ہو، اپنی برادری کے کچھ لوگوں کو بے گھر کر دیتے ہو، ظلم و زیادتی کے ساتھ ان کے خلاف جتھے بندیاں کرتے ہو۔'' (ترجمہ آیت ۸۳، ۸۴، ۸۵)

نونہالو! اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو بار بار پڑھو۔ اپنے بھائی بہنوں، اپنے والدین، بزرگوں اور ساتھیوں کے ساتھ مل کر ان آیتوں کو خوب غور سے پڑھو۔ کیا اس وقت ہماری حالت یہی نہیں ہے؟ کیا ہم نے اللہ سے کیا ہوا عہد بھلا نہیں دیا؟ ایک دوسرے کا خون نہیں بہا رہے؟ کیا ہم ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر نہیں کر رہے؟ یہ ہم سب کے سوچنے کا وقت ہے۔ اس سے پہلے کہ اس سے زیادہ بُرا وقت آئے، ہمیں کچھ کرنا چاہیے۔ سب سے پہلے اپنے آپ پر غور کرنا، اپنے آپ کو بدلنا چاہیے، پھر اپنے قریب کے لوگوں کو سمجھانا چاہیے کہ وہ بھی معاشرے کی اصلاح کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کریں۔

(ہمدرد نونہال اگست ۱۹۹۸ء سے لیا گیا)

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

اس مہینے کا خیال

سوال علم کا پہلا قدم ہوتا ہے۔ پوچھنے سے نہ گھبراؤ۔
پوچھنے سے ہی نئے راستے مل سکتے ہیں۔

لیجیے، ستمبر بھی آ گیا۔ ہمیں آزاد قوم کی حیثیت سے زندگی گزارتے ہوئے ۶۷ سال پورے ہو گئے۔ اتنے برسوں میں دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ ہمارا پیارا پاکستان بھی آگے بڑھ رہا ہے۔ ترقی کر رہا ہے۔ آپ کا ہمدرد نونہال بھی خوب مقبول ہو رہا ہے۔ اس کو پڑھنے والے نونہالوں کے علاوہ بزرگ بھی ہیں، جو اس کی تعریفیں کر کر کے میری اور میرے ساتھیوں کی زندگی بڑھاتے ہیں۔ مجھے یہ سوچ کر اور سُن کر دلی سکون ملتا ہے کہ ہمدرد نونہال نے پچھلے نسلوں کو علم کی روشنی دی ہے اور بچپن میں ہمدرد نونہال پڑھنے والے اب پاکستان کی خوب خدمت کر رہے ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح کی وفات ۱۱- ستمبر ۱۹۴۸ء کو ہوئی، لیکن قائداعظم کی باتیں ہماری رہنمائی کر رہی ہیں اور کرتی رہیں گی۔

آزادی حاصل کرنے کی طویل جدوجہد میں ہمارے بہت سے لیڈروں نے حصہ لیا، سختیاں جھیلیں، قید و بند کی مصیبتیں برداشت کیں اور آزادی جیسی نعمت ہمیں عطا کی۔ آزادی کے بعد بھی بڑے بڑے اور اچھے اچھے رہنما پیدا ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

نونہالو! آپ کو پاکستان بہت اچھا اور بڑا ملک بنانا ہے۔ ابھی تیاری کریں اور علم کی روشنی خوب حاصل کریں اور پاکستان کو علم کے نور سے جگمگا دیں۔

سونے سے لکھنے کے قابل زندگی آموز باتیں

روشن خیالات

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ایک ایسی غلطی جو انسان میں عاجزی پیدا کر دے، اس کارنامے سے بہتر ہے جو غرور پیدا کرے۔ مرسلہ : **محمد سہیل نواب، ٹنڈوالہیار**

حضرت علی کرم اللہ وجہ

ایک اچھا دوست پھول کی طرح ہوتا ہے، جسے ہم چھوڑ بھی نہیں سکتے اور توڑ بھی نہیں سکتے۔ اگر توڑ دیا تو مرجھا جائے گا اور اگر چھوڑ دیا تو کوئی اور لے جائے گا۔ مرسلہ: **صباح عبدالمجید دشتی، مکران**

حضرت امام حسینؓ

جلد بازی بدترین انسانی کم زوری ہے۔

مرسلہ : **مہک اکرم، لیاقت آباد**

شیخ سعدیؒ

شیر سے پنجہ آزمائی کرنا اور تلوار پر مکا مارنا عقل مندوں کا کام نہیں۔ مرسلہ : **کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی**

جبران خلیل جبران

انسان کو چہرے سے نہیں دل سے پہچانا جاتا ہے۔

مرسلہ : **قمر ناز دہلوی، کراچی**

سقراط

تحریر ایک خاموش آواز ہے اور قلم ہاتھ کی زبان ہے۔ مرسلہ : **تسنیم زہرا، کراچی**

ولیم شیکسپیئر

تمھاری عقل ہی تمھاری استاد ہے۔

مرسلہ : **پیکر بہار، مکران**

بیکن

مشورہ لینا بری بات نہیں، مگر اس پر بلا غور و فکر عمل کرنا برا ہے۔ مرسلہ : **پارس احمد خان، کراچی**

کنفیوشس

جس طرح مچھلی دانے کو دیکھتی ہے، جال پر اس کی نظر نہیں جاتی۔ اسی طرح بے وقوف ذرا سا نفع دیکھتا ہے، بھاری نقصان تک اس کی نظر نہیں جاتی۔

مرسلہ : **سید باذل علی ہاشمی، کورنگی**

سڈنی فلپ

دنیا کا بہترین علاج خاموشی اور خوش رہنا ہے۔

مرسلہ : **عبدالرافع، کراچی**

دعا

ضیاء الحسن ضیا

یا رب! میری دعا ہے تجھ سے
کام آؤں میں اپنے وطن کے
ملت کا میں بنوں سہارا
مجھ کو ہے ہر فرد ہی پیارا
پاک زمیں کا روپ نکھاروں
محنت سے میں اسے سنواروں
لاچاروں کو گلے لگاؤں
عصا ضعیفوں کا بن جاؤں
خود پڑھ کر میں سب کو پڑھاؤں
علم کے ہر سُو پھول کھلاؤں
نفرت کے میں دیپ بجھادوں
سارے دلوں میں پیار سجادوں
ضیاؔ کو یا رب دے دے قوّت
کرتا رہے یہ دیس کی خدمت

چچا کبابی دِلّی والے

حضرت مُلّا واحدی مرحوم

پائے والوں کی طرف، جامع مسجد کے پھلواری والے چبوترے کے نیچے، پٹڑی پر جہاں اور کوئی دکان دار نہیں بیٹھتا تھا، شام کے پانچ چھے بجے ایک کبابی صاحب دکان لگایا کرتے تھے اور رات کے بارہ ایک بجے تک کباب بیچتے تھے۔ ان کا نام مجھے معلوم نہیں، چچا کبابی کہلاتے تھے۔ چچا کبابی غدر ۱۸۵۷ء کے دس بارہ سال بعد پیدا ہوئے ہوں گے اور غدر ۱۹۴۷ء سے چند سال پہلے انتقال کر گئے۔

دِلّی کے سیخ کباب اور گولے کباب مشہور ہیں۔ چچا کبابی دِلّی کے ممتاز کبابی تھے۔ کباب بنانے کے اعتبار سے بھی اور انوکھی طبیعت کے اعتبار سے بھی۔ کباب کے فن پر انھیں بڑا گھمنڈ تھا اور طبیعت کا انوکھا پن تو اس سے عیاں ہے کہ اپنے لیے وہ جگہ انتخاب کی تھی، جہاں گاہک کو آنا ہو تو جامع مسجد کے جنوبی دروازے کی طرف دسیوں کبابیوں کو چھوڑ کر آئے۔

ایک گیارہ برس کی لڑکی آگ کا تاؤ قائم رکھنے کی غرض سے ہر وقت پنکھا ہاتھ میں پکڑے کھڑی رہتی تھی۔ غالبًا ان کی بیٹی تھی۔ ذرا تاؤ کم و بیش ہوا اور چچا کبابی کا پارا چڑھا۔ غصہ ناک پر رکھا رہتا تھا، لیکن کیا مجال جو زبان سے کوئی بیہودہ لفظ نکل جائے۔

گاہکوں کو باری باری کر کے کباب دیتے تھے۔ آپ اگر اُن کے ہاں اوّل مرتبہ تشریف لائے ہیں اور ان کی طبیعت سے واقف نہیں ہیں اور دوسرے گاہکوں کی نسبت آپ کی حیثیت بلند ہے، صاف ستھرا لباس پہنے ہیں، تانگا یا موٹر روک کر کباب خریدنے

اُتر پڑے ہیں، آپ نے خیال کیا کہ مجھے ترجیح دی جانی چاہیے، ہاتھ بڑھایا، رپے تھمائے اور فرمایا: ''ڈیڑھ رپے کے کباب ذرا جلدی!''

''جلدی'' کا لفظ سنتے ہی چچا کبابی کا مزاج بگڑ جائے گا۔ وہ رُپے واپس کر دیں گے اور کہیں گے: ''حضور! جلدی ہے تو اور سے لے لیجیے۔''

ایک روز ایک ذرا زندہ دل سے شخص چچا کبابی سے اُلجھ گئے۔ انھوں نے چچا کبابی کے اس فقرے پر فقرہ جڑ دیا کہ ''اچھا بھائی! اور ہی سے لے لیں گے۔ اللہ نے تمھارے کبابوں سے بچایا، نہ جانے ہضم ہوتے یا کوئی آفت ڈھاتے۔''

چچا کبابی تلملا اُٹھے کہنے لگے: ''حضور! کبابوں میں وہ مسالا ڈالتا ہوں جسے مست بجار (موٹا تازہ بیل) پر لتھیڑ دوں تو گل کر گر پڑے گا۔ میرے کبابوں سے آپ کو تکلیف پہنچ جائے تو اسپتال تک کا خرچ دوں گا، لیکن کباب جلدی نہیں دے سکتا، جلدی میں کباب یا کچے رہ جاتے ہیں یا جل جاتے ہیں اور دوسرے گاہکوں کا حق بھی چھنتا ہے، جو پہلے آیا ہے کباب اُسے پہلے ملنے چاہییں۔''

چچا کبابی دھونس نہیں برداشت کرتے تھے اور اپنے اصول کے مقابلے میں وہ تعلقات کو بھول جاتے تھے۔ عزیز اور دوست بھی ان سے بغیر باری کے کباب نہیں لے سکتے تھے۔ آپ جائیے، انھیں سلام کیجیے، جواب دیں گے ''وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ، برکاتہ، پانوں کی ڈبیا سامنے رکھ دیجیے، بے تکلف پان کھا لیں گے، زردہ خود مانگیں گے، لیکن ناممکن ہے کہ ''سلام'' سے یا پان سے چچا کبابی پگھل جائیں۔ کباب باری پر ہی دیں گے۔

ایک دفعہ میری موجودگی میں ۱۳-۱۴ برس کا ایک لڑکا آیا، بولا: ''چار پیسے کے کباب دے دو۔''

چچا کبابی نے کہا: ''نہیں بھائی! میں تجھے کباب نہیں دوں گا۔''

اب وہ لڑکا سر ہو رہا ہے اور خوشامدیں کر رہا ہے اور چچا کبابی انکار پر انکار کیے جاتے ہیں۔ جب بہت دیر اس حُجت بازی میں گزر گئی تو کسی نے ہمت کر کے پوچھ لیا: ''چچا! کیا بات ہے؟ اسے کباب کیوں نہیں دے رہے؟''

کہنے لگے: ''میاں! یہ پیسے چُرا کر لاتا ہے، گھر سے لاتا ہو یا کہیں اور سے، روز چار پیسے کے کباب کھا جاتا ہے، یہیں بیٹھ کر، دیکھو نا اس کی صورت! جا بیٹا! جا۔ عادت کہیں اور جا کر بگاڑ، میں چار پیسے کی خاطر تجھے تباہی کے راستے پر نہیں لگاؤں گا۔ مجھے یقین نہیں ہے کہ تیرے ماں باپ چار پیسے تجھے کباب کھانے کے واسطے دیتے ہوں گے۔''

جو لوگ اُن کی دکان پر تازے اور گرم گرم کباب کھا لیتے تھے، اُن سے خوش ہوتے تھے۔ پیسے تھمایئے اور بتا دیجیے کہ سامنے جامع مسجد کے دالان میں انتظار کر رہا ہوں، کباب بھیج دینا یا آواز دے لینا۔ ایسے لوگوں کے کباب گھی سے بگھارتے، کبابوں میں بھیجا ملاتے، پیاز، پودینہ اور ہری مرچیں چھڑکتے اور اپنے آدمی کے ہاتھ پہنچوا دیتے۔

اللہ بخشے مولانا راشد الخیری کو چچا کبابی کے ہاتھ کے کباب بے حد مرغوب تھے۔ وہ میرے ساتھ ہوتے تو میں بھی جامع مسجد چلا جاتا تھا اور وہیں پر کباب منگا لیتا تھا۔ تازہ کبابوں کی باتہی کچھ اور ہوتی ہے۔ ☆

دل کی باتیں

مسعود احمد برکاتی

کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں اس وقت آپ کا تعارف کسی شاعر سے کروا رہا ہوں، جن کا تخلص دل ہے۔ جی نہیں، میری مراد اُس دل سے ہے جو آپ کے سینے میں دھڑک رہا ہے اور عمر بھر دھڑکتا رہے گا۔ دل کے اتنے قریب ہونے کے باوجود اور دل سے اتنی خدمت لینے کے بعد بھی بہت سے لوگ دل کے متعلق کم، بہت کم جانتے ہیں، اس لیے آیئے آج دل کے متعلق کچھ ضروری اور ابتدائی سوالات کر کے اپنی معلومات جانچیں۔

دل یا قلب ایک مکمل اور بہترین مشین ہے۔ ایک ایسی مشین جو خود بخود چلتی ہے اور مسلسل چلتی رہتی ہے۔ دل بہت مضبوط ہوتا ہے، اتنا مضبوط کہ پیدایش سے لے کر موت تک متواتر کام کرتا رہتا ہے، لیکن پھر بھی نہیں تھکتا۔ آیئے ان سوالات پر غور کریں۔

۱۔ ایک بالغ آدمی کے دل کا وزن کتنا ہوتا ہے؟

ایک بالغ آدمی کے دل کا وزن صرف گیارہ اونس (ساڑھے پانچ چھٹانک) ہوتا ہے۔

۲۔ اگر ایک آدمی کی عمر ستر سال ہو تو اس کا دل کتنی بار حرکت کر چکا ہو گا؟

ذرا سنبھل کر جواب سنیے: ''دو ارب پچاس کروڑ بار۔ جی ہاں، دل ایک دن میں ایک لاکھ مرتبہ کے قریب دھڑکتا یا حرکت کرتا ہے۔

۳۔ آپ کا دل ایک دن میں کتنے گیلن خون پمپ کرتا، یعنی جسم میں دوڑاتا ہے؟

دس بیس گیلن نہیں، سو دو سو، ہزار گیلن بھی نہیں، بلکہ پورے دو ہزار گیلن خون آپ کا یہ ننھا سا دل پمپ کرتا ہے۔ ہے نا محنتی خادم؟ تو آپ بھی ذرا محنت کی عادت ڈالیں۔

۴۔ آپ کے جسم میں بہت سی رَگیں ہیں۔ یہ رَگیں جسم سے دل میں اور دل سے جسم میں خون لے جاتی ہیں۔ ان سب کو ملا کر اگر ان کی لمبائی ناپی جائے تو کتنی ہوگی؟

آپ کو یہ بتائے دیتے ہیں کہ یہ لمبائی گزوں میں نہیں ہے، تو پھر فرلانگوں میں ہوگی؟ جی نہیں، میلوں میں ہے۔ ساٹھ ہزار میل! یقین نہیں آ رہا ہے، مگر یہ حقیقت ہے۔ آپ کو یقین کرنا پڑے گا۔ اچھا یہ بھی سمجھ لیجیے کہ جن رَگوں میں سرخ خون جاتا ہے وہ **شریانیں** یا **شرائین** کہلاتی ہیں۔ ایسی ایک رَگ کو **شریان** کہیں گے۔ جن رَگوں میں سیاہی مائل نیلے رنگ کا، یعنی ناصاف خون گردش کرتا ہے، ان کو وریدیں یا **''اَورِدَہ''** کہتے ہیں۔ اَورِدَہ جمع ہے **وَرِید** کی، یعنی ایک رَگ کو **ورید** کہیں گے۔ کچھ رَگیں بال سے بھی زیادہ باریک ہوتی ہیں۔ ان کا جال گوشت کے اندر پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ ان رَگوں کو **عُروقِ شَعریہ** کہتے ہیں۔ **عُروق** جمع ہے **عِرق** کی۔ عِرق کے معنی رَگ۔ شعر کے معنی بال۔ شَعریہ کے معنی ہوئے بال جیسی۔ عُروقِ شَعریہ کا مطلب ہوا، بال جیسی باریک رَگیں۔

۵۔ ایک اوسط درجے کے آدمی کے جسم میں کتنا خون ہوتا ہے؟

بہت زیادہ نہیں صرف ساڑھے دس پائنٹ۔

۶۔ اگر کوئی بالغ آدمی آرام کی حالت میں ہو تو اس کی نبض ایک منٹ میں کتنی بار حرکت کرے گی؟

اس کا جواب تو میرے خیال میں سبھی کو آتا ہوگا کہ آدمی اگر بیمار نہ ہو یا تھکا ہوا نہ ہو تو اس کی نبض ایک منٹ میں ۷۲ بار حرکت کرے گی۔

۷۔ دل عمر بھر آرام نہیں لیتا! صحیح یا غلط؟

بہ ظاہر یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے، لیکن غلط ہے۔ دل دو دھڑکنوں (حرکات یا ضربات) کے درمیان آدھے سیکنڈ کے لیے آرام کرتا ہے۔

۸۔ دل سارے جسم میں خون کو دوڑاتا یا گردش دیتا ہے۔اس کا مقصد کیا ہے؟ کیا اس کا مقصد جسم کی ساختوں تک اوکسی جن اور غذا کو پہنچانا ہے یا ساختوں کے فضلات کو بہا کر لے جانا؟

جی! اس گردش کے دونوں مقصد ہیں۔ اوکسی جن اور غذا کو پہنچانا بھی اور کاربن ڈائی اوکسائڈ کو خارج کرنا بھی۔

۹۔ اگر کوئی آدمی یکایک گر پڑے تو کیا آپ کو کسی معالج کو بلانے کے لیے دوڑ جانا چاہیے یا پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ آدمی ہوش میں ہے یا بے ہوش ہو گیا ہے؟

معالج کو بلانے سے پہلے آپ کو یہ دیکھنا چاہیے کہ گرنے والا آدمی کہیں بے ہوش تو نہیں ہو گیا ہے۔ اگر وہ ہوش میں ہے تو ممکن ہے وہ قے کرنا شروع کر دے۔ اگر ایسا ہو تو اس کو پہلو کے بل لٹا دیجیے اور اس کے سر کو پیچھے کی طرف جھکا دیجیے۔ اگر وہ بے ہوش ہو گیا ہو تو اس کی سانس اور نبض کو دیکھتے رہیے۔ اگر وہ سانس نہ لے رہا ہو، لیکن اس کی نبض چل رہی ہو تو اس کے منھ سے اپنا منھ ملا کر اس کے پھیپڑوں میں سانس بھر دیجیے۔ اگر سانس اور نبض دونوں غائب ہوں تو پھیپڑوں میں سانس بھرنے کے ساتھ ساتھ اس کے دل پر بھی مالش کیجیے اور کسی دوسرے آدمی کو معالج کو بلانے کے لیے دوڑا دیجیے۔

۱۰۔ اگر کسی آدمی کو دل کا دورہ پڑ جائے تو آپ کو کیا کرنا چاہیے؟

دل کے دورے کے وقت ابتدائی طبی امداد (فرسٹ ایڈ) کا طریقہ یہ ہے کہ

آپ مریض کے پاس ٹھیرے رہیں اور اس کی حالت کو غور سے دیکھتے رہیں۔ اگر وہ بے ہوش ہونے لگے یا اس کے حواس جواب دے چکے ہوں تو اس کو پہلو کے بل لٹا دیجیے۔ ممکن ہے وہ قے کر دے۔ اس کے منھ سے منھ ملا کر اس کے سینے میں ہوا بھر دیجیے اور ضروری ہو تو اس کے دل پر مالش کریں۔ اسی کے ساتھ کسی معالج کو لانے کے لیے بھیج دیجیے۔ جس شخص پر دل کا دورہ پڑا ہو، اس کو کوئی محنت کا کام نہ کرنے دیجیے۔ نہ زینہ چڑھنے دیجیے اور نہ نہانے دیجیے۔

اچھا اب دل کی حفاظت، یعنی دل کی مشین کو صحیح سلامت رکھنے اور اس سے زیادہ سے زیادہ دن تک کام لینے کے لیے چند باتیں سن لیجیے:

۱۔ خوش رہیے۔ فکر اور پریشانی کی عادت نہ ڈالیے۔ کوئی بڑے سے بڑا نقصان ہو جائے تو اسے بھی ہنسی خوشی برداشت کیجیے۔ اگر آپ صحت مند رہے تو ہر نقصان کی تلافی کر لیں گے۔

۲۔ متوازن غذا کھائیے۔ چکنائی زیادہ نہ کھائیے۔ کھانا کم کھائیے۔ کچھ بھوک رکھ کر کھائیے۔ زیادہ کھانے سے بہت سی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ مٹاپا اور زیادہ وزن بہت نقصان دہ ہے۔

۳۔ ورزش اور جسمانی محنت کو کسی حالت میں نہ چھوڑیئے۔ ورزش اور حرکت سے بہتر صحت کا ٹانک کوئی دوسرا نہیں۔

۴۔ ضرورت سے زیادہ تھکن بھی اچھی نہیں۔ کام اور محنت کے بعد آرام بھی ضروری ہے۔ وقفے وقفے سے کام اور آرام کیجیے۔

☆☆☆

نصیحت

کرشن پرویز، انڈیا

ہم بزرگوں کا احترام کریں
صبح اُٹھ کر انھیں سلام کریں

صبح ممکن نہیں تو شام کریں
روز ہم کوئی نیک کام کریں

جب ملاقات ہو کسی سے بھی
پہلے آداب ، پھر کلام کریں

اپنے کردار و خوش کلامی سے
پیار سے سب کو ہم غلام کریں

دُور پرؔویز جھوٹ سے رہنا
کہہ کے سچ بات شاد کام کریں

انعام

وقار محسن

ایک پرائیویٹ اسکول کے پیچھے فلیٹوں کے قریب بس اسٹاپ سے بس ہر بیس منٹ کے بعد گزرتی تھی۔ کریم اور آصف جب اسکول سے چھٹی کے بعد بس اسٹاپ پر پہنچے تو بس کے آنے میں دس منٹ باقی تھے۔ بس اسٹاپ پر چھ سات مسافر بس کے منتظر تھے۔ کریم اور آصف ریلنگ سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور ہوم ورک کی زیادتی کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔

بس کے منتظر لوگوں میں ایک تقریباً پچھتر سالہ بوڑھی خاتون بھی تھیں۔ وہ بہت بے چینی سے اپنے پرس میں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔ ان کے سفید بال جھریوں بھرے چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ اپنے پرس کی زپ بند کر کے کمر جھکا کر ارد گرد کچھ تلاش کر رہی تھیں۔ وہ بار بار بے چینی سے اس سمت بھی دیکھ رہی تھیں، جدھر سے بس آنے والی تھی۔

آصف نے کریم سے کہا: ''بھئی کریم! یہ ضعیف خاتون بہت پریشان لگ رہی ہیں۔ شاید ان کی کوئی اہم چیز گم ہو گئی ہے۔ آؤ، ذرا معلوم کریں اور ان کی کچھ مدد کر دیں۔''

''بھئی! بس کے آنے میں صرف پانچ منٹ ہیں۔ اگر یہ بس نکل گئی تو پھر بیس منٹ انتظار کرنا پڑے گا۔ آ بیل مجھے مار کے چکر میں نہ پڑو۔ مجھے چار بجے ٹیوشن کے لیے بھی جانا ہے۔'' کریم نے صاف انکار کرتے ہوئے جواب دیا۔

اتنی دیر میں دور سے بس آتی نظر آئی۔ بوڑھی خاتون نے ایک بار پھر بے چینی سے بس کی طرف دیکھا اور اپنی چھڑی کے سہارے جھکتے ہوئے کچھ تلاش کرنے میں مشغول ہو گئیں۔ آصف نے بھی بس کی طرف دیکھا۔ ایک قدم بس کی طرف بڑھایا پھر رک گیا۔ اس نے طے کر لیا کہ اس بوڑھی خاتون کی ضرور مدد کرے گا۔

''اماں! خیریت، آپ کیا تلاش کر رہی ہیں؟'' آصف نے قریب جا کر بوڑھی خاتون سے پوچھا۔

''ارے بیٹا! کیا بتاؤں۔ فلیٹ کی چابی نہ جانے کہاں گر گئی۔ یہیں کہیں گری ہے۔ گھر پر میرے ساتھ میری ملازمہ رہتی ہے۔ آج وہ بھی چھٹی پر ہے۔''

آصف اپنا کتابوں کا بیگ ریلنگ سے ٹکا کر خاتون کے ساتھ چابی تلاش کرنے لگا۔

''بیٹا! خیال رکھنا۔ چابی ہرے رنگ کے کی چین میں ہے۔'' بوڑھی عورت آہستہ سے بولیں۔

''لیں اماں! مل گئی آپ کی چابی۔'' آصف نے قریبی جھاڑی سے چابی اُٹھا کر بڑھاتے ہوئے کہا۔

'' جیتے رہو بیٹا! اللہ تعالیٰ تمھاری عمر دراز کرے۔ تم نے میری بڑی مشکل حل کر دی۔ اگلے اسٹاپ پر ہی میرا فلیٹ ہے۔ ہم وہاں تک پیدل بھی جا سکتے ہیں۔ آؤ تمھیں گرما گرم چائے پلاؤں۔'' خاتون نے دعائیں دیتے ہوئے کہا۔

''نہیں اماں! شکریہ، مجھے پہلے ہی کافی دیر ہو گئی ہے۔ اب تو بس بہت دیر میں آئے

گی۔ میں تیز تیز چلتا ہوا جلدی پہنچ جاؤں گا۔ مجھے فوراً ٹیوشن پڑھنے بھی جانا ہے۔'' آصف نے معذرت کی اور اپنا بیگ اُٹھا کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

جب آصف گھر پہنچا تو امی کو دروازے پر بے چینی سے انتظار کرتے پایا۔ گھر میں داخل ہونے کے بعد آصف نے دیر سے پہنچنے کی وجہ تفصیل سے بتائی تو امی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: ''شاباش بیٹا! تم نے بہت نیک کام کیا۔ تمھاری مدد کے بغیر وہ ضعیف خاتون نہ جانے کتنا پریشان ہوتیں۔''

آصف نے جلدی جلدی کھانا کھایا اور ٹیوشن جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ ابھی تک دھوپ میں تپش بہت تھی۔ آصف نے اپنی قمیص کی جیب میں دھوپ کا چشمہ نکالنے کے لیے ہاتھ ڈالا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ چشمہ جیب میں نہیں تھا۔ اس نے جلدی جلدی اپنی پینٹ کی جیبوں میں دیکھا۔ بیگ ٹٹولا، لیکن چشمہ نہیں ملا۔ آصف کو اپنا سنہرے فریم والا یہ چشمہ بہت پسند تھا۔ ابھی کچھ دن پہلے اس کی سال گرہ پر ابو نے بطور تحفہ دیا تھا۔ آصف کو اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے بس اسٹاپ پر چشمہ اتار کر قمیص کی اوپر والی جیب میں رکھا تھا۔ یقیناً جھک کر تلاش کرتے وقت چشمہ بس اسٹاپ پر ہی گر گیا۔ ظاہر ہے اتنی پر ہجوم سڑک پر اب چشمہ ملنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ وہ افسردہ دل کے ساتھ گھر سے نکل گیا۔

اگلے دن جب صبح اسمبلی میں پرنسپل صاحب نے ایک اہم اعلان کیا تو سب لوگ اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ پرنسپل صاحب کہہ رہے تھے: ''آج صبح ایک معزز خاتون نے ہمارے اسکول کے ایک قابلِ فخر طالب علم کے بارے میں ایک خط بھیجا ہے، جس کو پڑھ کر مجھے بہت مسرت ہوئی ہے۔ کل بس اسٹاپ پر ان بوڑھی خاتون کے فلیٹ کی چابی گم ہو گئی تھی۔ وہ خاتون بہت پریشان تھیں۔ ہمارے اسکول کے ایک ہونہار طالب علم نے جس طرح ان کی مدد کی، اس کے لیے انھوں نے اس طالب علم کی اور ہمارے اسکول کی بہت تعریف کی ہے۔ اس لڑکے کی قمیص پر لگے مونو گرام سے ان خاتون نے پہچانا کہ وہ ہمارے اسکول سے تعلق رکھتا ہے۔ میں
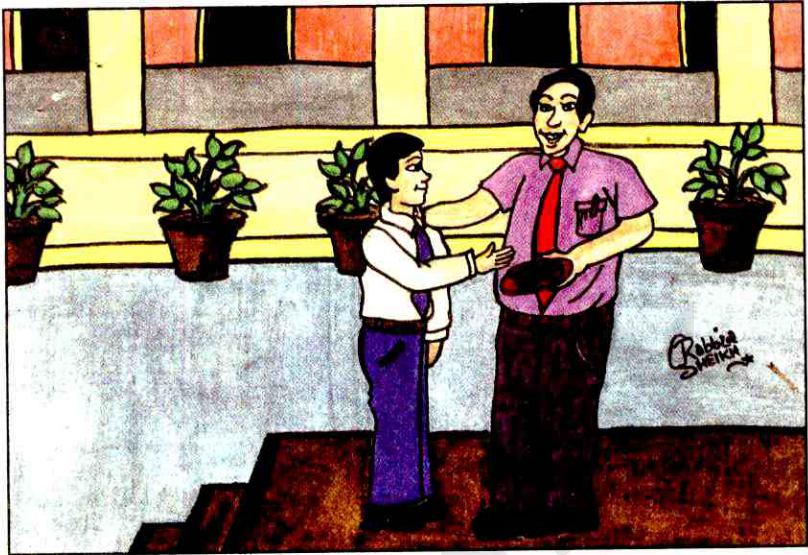
اپنے اسکول کے اس ہیرو سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ یہاں آئے اور اپنا تعارف کرائے۔''

چند لمحے تو آصف پر سکتہ سا طاری ہو گیا، پھر وہ سر جھکائے پلیٹ فارم کی طرف بڑھا۔ چاروں طرف تالیوں کے شور میں وہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بلند فضاؤں میں اُڑ رہا ہو۔ جب وہ پرنسپل صاحب کے پاس پہنچا تو انھوں نے آصف کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے مبارک باد دی اور کہا: ''آصف رحمان! آج تم نے پورے اسکول کا نام روشن کیا ہے۔ بعض اوقات ہمارا چھوٹا سا عمل کسی کے لیے کتنا اہم ہوتا ہے، اس کا اندازہ تمھیں ہو گیا ہو گا اور ہاں، ان خاتون نے تمھارے لیے ایک انعام بھی بھیجا ہے۔'' پرنسپل صاحب نے سرخ مخمل کا ایک پاؤچ آصف کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

آصف نے جب وہ پاؤچ کھولا تو اس میں ایک سنہرے فریم والا دھوپ کا چشمہ تھا۔ وہ چشمہ اس سے کہیں زیادہ خوب صورت اور قیمتی تھا، جو بس اسٹاپ پر گر گیا تھا۔ ☆

بلاعنوان انعامی کہانی

محمد اقبال شمس

''اللہ...... کے...... نام...... پر...... کچھ...... دیتا...... جا......'' اس فقیر نے بمشکل یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے اپنا ہاتھ علی کے سامنے پھیلا دیا اور اس کی گردن ایک طرف کو ڈھلکی۔ وہ کچھ مدہوش سا لگ رہا تھا۔ علی کی نظر جیسے ہی اس فقیر پر گئی وہ اُچھل پڑا۔ جب اس نے غور سے دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ یہ چہرہ ہو بہو اس کے مرحوم والد شیرازی کا تھا۔ اس نے اپنے والد کو دیکھا تو نہیں تھا، کیوں کہ بقول اس کی والدہ رقیہ بیگم کے کہ جب وہ دو سال کا تھا تب ہی اس کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس نے صرف اپنے والد کی تصویریں ہی دیکھی تھیں۔ وہ فوراً اپنے گھر پہنچا، گھر پہنچ کر اس نے الماری سے تصویروں والا البم نکالا اور اپنے والد کی تصویریں

دیکھنے لگا۔

''بیٹا! آج تم اپنے ابا کی تصویر اتنے غور سے کیوں دیکھ رہے ہو؟'' اس کی والدہ نے اس سے پوچھا۔

وہ بولا: ''امی! میں نے آج ہو بہو ابا کی شکل سے ملتا جلتا چہرہ دیکھا ہے۔''

وہ بولیں: ''ارے بیٹا! بعض اوقات ایک ہی چہرے سے ملتے جلتے دو انسان ہو جاتے ہیں۔''

''لیکن امی! ان کی گردن پر ویسا ہی......'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

''کیا ان کی گردن پر ویسا ہی۔'' اس کی امی نے پوچھا۔

وہ بولا: ''وہ میرا مطلب ہے کہ کیا ان کا کوئی جڑواں بھائی تو نہیں تھا؟''

وہ بولیں: ''نہیں صرف ایک ہی بھائی ہے قاسم۔'' علی خلاؤں میں گھورنے لگا۔

اس فقیر کو دیکھنے کے بعد علی کو نہ جانے کیوں بے چینی ہونے لگی تھی۔ اس کی چھٹی حس بار بار اس بات کا اشارہ دے رہی تھی کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔ اگلے دن پھر اسی مقام پر گیا، مگر وہ فقیر اسے آج نظر نہیں آیا۔

ایک دن وہ اپنے چچا قاسم کے گھر گیا۔ قاسم اسے دیکھ کر کافی حیران ہوا۔ وہ بہت کم ہی ان لوگوں سے ملتا تھا۔

''آج یہاں کا راستہ کیسے بھول گئے اور تمھاری امی ساتھ نہیں آئیں۔'' قاسم بولا۔

علی نے اندر آتے ہوئے کہا: ''نہیں، مجھے آپ سے ایک کام ہے۔''

''ہاں بولو۔'' قاسم بے دلی سے بولا۔

''مجھے ابا کی قبر دیکھنی ہے۔'' علی نے کہا۔
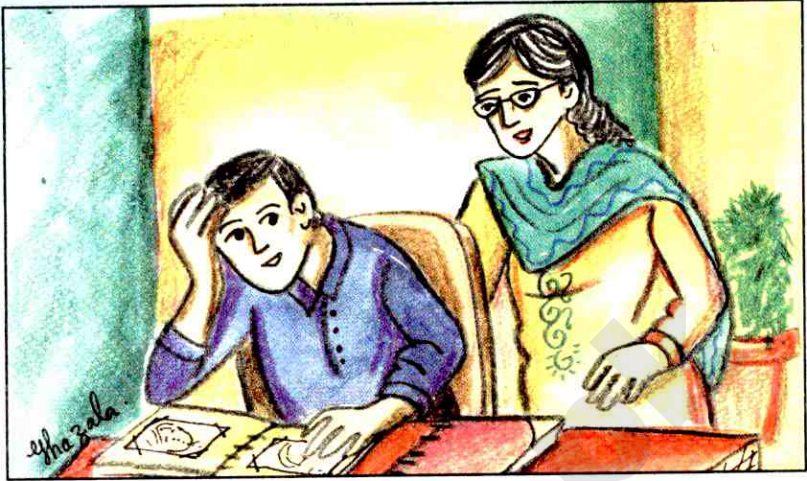
''کیا...... لیکن اچانک، اس سے پہلے تو تم نے اس بات کی کبھی خواہش ظاہر نہیں کی۔''

''ہاں وہ میری بدبختی تھی۔ بہرحال! میں اب ابا کی قبر پر فاتحہ پڑھنا چاہتا ہوں۔''

''دیکھو آج تو میں بہت مصروف ہوں، کل تم آ جانا میں تمھیں تمھارے ابا کی قبر پر لے چلوں گا۔'' یہ سن کر علی چلا آیا اور قاسم خلاؤں میں گھورتا رہ گیا۔

اگلے دن قاسم، علی کو قبرستان لے گیا۔ پھر وہ ایک جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا:

''یہ ہے تمھارے ابا کی قبر۔''

وہ قبر کے سرہانے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ پھر اس نے دعا کی، اچانک وہ ٹھٹکا: ''قبر پر کوئی کتبہ کیوں نہیں ہے؟'' اس نے قاسم سے سوال کیا۔

وہ آنکھیں چلاتے ہوئے بولا: ''دراصل میری زندگی اتنی مصروف ہے کہ مجھے وقت ہی نہیں ملا۔''

تھوڑی دیر رکنے کے بعد وہ لوگ واپس ہو لیے۔ دو دن بعد علی دوبارہ قبرستان میں تھا۔ وہ وہاں کے گورکن کو تلاش کرتے ہوئے اس کی کٹیا پہنچا۔ وہ ستر سال کے لگ بھگ ہوگا۔ علی بولا: ''جناب! مجھے آپ سے ایک کام ہے۔''

وہ بولا: ''سائیں! قبر وغیرہ کھدوانی ہے؟''

علی بولا: ''نہیں، دراصل مجھے ایک قبر کے متعلق معلومات حاصل کرنی ہیں۔''

وہ بولا: ''معلومات کیسی معلومات، ہم نے یہاں دفتری بابو کی طرح رجسٹر کھولے ہوئے ہیں؟''

وہ بولا: ''دیکھیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی دو منٹ کے لیے میرے ساتھ تو چلیں۔''

وہ اس کے ساتھ کٹیا سے باہر آیا۔ علی اسے اسی قبر پر لے جا کر بولا: ''کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ قبر کس کی اور کتنی پرانی ہے۔''

وہ بولا: ''اب یہ قبر کس کی ہے، بھلا میں کیا جانوں۔ ہاں اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ یہ قبر دو سال پرانی ہے۔''

''کیا......'' یہ سن کر علی اُچھل پڑا، کیوں کہ جب وہ دو سال کا تھا تو اس کے والد کا انتقال ہوا تھا۔ یہ بات اس کی والدہ نے اسے بتائی تھی اور آج وہ سترہ سال کا تھا۔ اس حساب سے اس کے والد صاحب کو گزرے ہوئے پندرہ سال ہو گئے تھے۔ جب کہ گورکن اس قبر کو دو سال پرانی بتا رہا تھا۔

''مگر تم یہ کس طرح یقین سے کہہ سکتے ہو کہ یہ قبر دو سال پرانی ہے۔''

وہ بولا: ''سائیں! دراصل اس قبر کے ساتھ والی قبر بھی میں نے اسی دن کھودی تھی اور اس پر کتبہ لگا ہے تم بھی تاریخ دیکھ لو۔'' کتبے کی آخری تاریخ دیکھ کر علی حیران رہ گیا۔ تاریخ دو سال پہلے

ہی کی تھی۔

اس کا شک یقین میں بدلتا جا رہا تھا کہ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ پھر اس کے قدم کسی اور سمت چل پڑے۔

اس خط کو دیکھ کر قاسم پریشان ہو گیا تھا جو اسے آج ہی صبح ایک کوریئر کے ذریعے ملا تھا۔ اس خط میں لکھا تھا: ''تم کیا سمجھتے ہو مجھے راستے سے ہٹا کر خود چین سے رہ پاؤ گے۔ بہت جلد تم اپنے انجام کو پہنچنے والے ہو۔''

''آخر یہ کون ہے؟'' وہ منھ ہی منھ میں بڑبڑانے لگا۔

کچھ دیر اس نے کچھ سوچا۔ پھر اس نے اپنی گاڑی اسٹارٹ کی، گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی ایک سمت چل پڑی۔ گاڑی ایک کچی بستی کے قریب آ کر رک گئی۔ وہ گاڑی سے اُتر کر اس بستی میں داخل ہوا اور پھر وہ اپنی مطلوبہ جھونپڑی میں داخل ہوا۔

''آؤ سیٹھ قاسم! آؤ۔ بڑے عرصے بعد ہم فقیروں کی بستی کو رونق بخشی۔'' اس جھونپڑی میں موجود ایک شخص جو اس بستی کا سردار تھا بولا۔

قاسم نے کہا: ''پیسے تو تمھیں باقاعدگی سے مل جاتے ہیں نا؟''

وہ بولا: ''ارے پیسے تو مل جاتے ہیں، پر آج آپ خود تشریف لائے سب خیریت تو ہے نا؟''

''میرا مہمان کیسا ہے؟'' قاسم نے پوچھا۔

''بالکل ویسا ہی ہے جیسا آپ چھوڑ کر گئے تھے اور باقاعدگی سے انجیکشن بھی لگ رہے ہیں۔''

''میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''شوق سے۔'' یہ کہہ کر وہ اسے دوسری جھونپڑی میں لے گیا۔ جہاں ایک شخص مدہوشی کی

سی کیفیت میں پڑا ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتا رہا اور دوبارہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر اپنے راستے پر ہولیا۔ اسی دوران علی ایک کونے سے نکلا جو قاسم کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک پہنچا تھا۔ وہ اسی جھونپڑی میں گیا تو حیران رہ گیا۔ اندر جو شخص تھا یہ وہی فقیر تھا جس کا چہرہ اس کے والد کے ہو بہو تھا۔ وہ فوراً وہاں سے نکلا۔ اب اس کے قدم ایک سمت چلنے لگے۔

قاسم کو آج پھر ایک خط موصول ہوا۔ خط میں تحریر تھا: ''بُرائی کا سفر نہایت ہی مختصر ہوتا ہے۔ جو بہت جلد ختم ہو جاتا ہے۔ تمھارا سفر بھی جلد ختم ہونے والا ہے۔'' اس نے غصے میں اس خط کے دو ٹکڑے کیے اور خود خلاؤں میں گھورنے لگا۔

علی کی ماں اس کی بات سن کر اُچھل گئی: ''کیا...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ تمھارے ابا زندہ ہیں۔ ان کا انتقال ہوئے تو کئی سال بیت گئے۔''

''کیا آپ نے آخری بار ان کا دیدار کیا تھا؟'' علی نے پوچھا۔

''نہیں، قاسم نے بتایا تھا کہ وہ کاروبار کے سلسلے میں جس بحری جہاز کے ذریعے دوسرے ملک جا رہے تھے وہ ڈوب گیا تھا۔ قاسم تو کسی نے کسی طرح بچ گیا، مگر تمھارے ابا ڈوب گئے۔ چار پانچ دن کی تلاش کے بعد ان کی لاش تو مل گئی، مگر وہ اس حالت میں تھی کہ اسے فوراً دفنانا پڑا۔''

پھر وہ تھوڑے توقف کے بعد بولیں: ''آخر یہ تم کس بنیاد پر کہہ رہے ہو۔ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

علی بولا: ''امی جان! آپ کو بہت جلد سب معلوم ہو جائے گا۔''

پھر وہ اپنی جیب سے ایک خط نکالتے ہوئے بولا: ''اب یہ آخری خط گناہ گار کو اپنے انجام

تک ضرور پہنچائے گا۔''

......☆......

قاسم اس خط کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پڑھے جا رہا تھا: ''مجھے مدہوشی میں مبتلا کر کے کیا سمجھتے ہو کہ میں اتنا مدہوش ہوں کہ مجھے کچھ خبر نہیں، یہ تمھاری بھول ہے۔ یہ خط پڑھ کر تمھیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میں اب ہوش میں آ گیا ہوں۔ یاد رکھنا بہت جلد تم اپنے انجام کو پہنچنے والے ہو۔'' قاسم نے خط پڑھ کو فوراً اس کے دو ٹکڑے کیے اور غصے میں بھرا باہر نکل کر اپنی گاڑی اسٹارٹ کی۔ اب اس کا رخ اسی بستی کی طرف تھا۔

بستی پہنچ کر وہ فوراً اسی جھونپڑی میں پہنچا، اسی دوران فقیروں کا سردار بھی آ گیا۔ قاسم نے دیکھا کہ وہ مدہوشی کی ہی کیفیت میں ہے۔ وہ سردار سے بولا: ''مجھے لگتا ہے کہ تم اس کی خوراک ٹھیک طرح سے نہیں دے رہے ہو؟''

''ارے سیٹھ صاحب! یہ کیسی بات کر رہے ہیں آپ؟ آپ نے جو خوراک اور جس جس وقت دینی ہے جس طرح بتایا تھا وہ باقاعدگی سے ہو رہا ہے اور یہ ہوش میں آنے سے پہلے ہی مدہوش کر دیا جاتا ہے۔'' سردار بولا۔

''اچھا پھر وہ خط۔'' اس نے یہ کہہ کر توقف کیا اور کہا: ''مجھے لگتا ہے کہ کوئی ہماری حقیقت جان چکا ہے۔ تم نے کسی کو بتایا ہے کہ یہ میرا بھائی ہے اور دولت حاصل کرنے کے لیے میں نے گمنامی میں پہنچا رکھا ہے؟''

سردار بولا: ''سیٹھ!؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں اس کام کے بدلے آپ مجھے اتنا نواز رہے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ غداری کا سوچ بھی نہیں سکتا۔''

قاسم بولا: ''اچھا؟ تو پھر آخر وہ کون ہے۔ جو مجھے خط لکھ کر پریشان کیے ہوئے ہے۔''

''وہ میں ہوں۔'' ایک آواز اُبھری۔ قاسم نے فوراً پیچھے مڑ کر دیکھا تو اُچھل پڑا۔ سامنے علی کھڑا تھا۔ لمحے بھر میں اسے علی کی والدہ بھی آتی ہوئی نظر آئیں۔ اس کے اوسان خطا ہو گئے۔

رقیہ بیگم بولیں: ''قاسم! تم نے ہمارے ساتھ اتنا بڑا دھوکا کیا۔ دولت حاصل کرنے کے لیے تم نے اپنے سگے بھائی کو اس حال میں پہنچا دیا۔ باپ کے ہوتے ہوئے ایک بیٹے کو یتیم اور ایک سہاگن کو بیوہ بنا دیا۔ تم پر خدا کا عذاب نازل ہو قاسم۔''

اچانک قاسم نے اپنی جیب سے پستول نکال لیا اور بولا: ''ہاں ہاں دولت حاصل کرنے کے لیے ہی میں نے یہ کھیل کھیلا، مگر ایک بات بتاؤ تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ ہی تمھارا باپ ہے؟''

علی بولا: ''جب میں نے انھیں پہلی بار دیکھا تو مجھے اپنے ابا کی جھلک نظر آئی۔ پھر اچانک ان کی گردن ایک طرف ڈھلکی تو ان کی گردن پر بھی ویسا ہی مسا تھا جو میں نے ابا کی تصویر میں دیکھ چکا تھا۔ اس پر مجھے شک ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے تم سے ابا کی قبر دیکھنے کو کہا، مگر تم نے جو قبر دکھائی۔ پھر میں نے اس کی معلومات کی اس پر مجھے پتا چلا کہ یہ قبر بھی تم نے فرضی دکھائی ہے۔ پھر میں نے فوراً اپنے ایک دوست کو یہ سب باتیں بتائیں اور اس نے مجھے اپنے انکل جو ایک پولیس انسپکٹر ہیں ان کو بتائیں اور جو خط تمھیں موصول ہوئے ہیں وہ میں نے ان ہی کے کہنے پر لکھے تھے اور ان ہی خطوط کی بدولت آج تمھارا پردہ فاش ہو گیا ہے۔''

قاسم ایک مکروہ ہنسی ہنستے ہوئے بولا: ''تم کیا سمجھتے ہو کہ سب کچھ جان لینے کے بعد تم زندہ بچ جاؤ گے یہ کہہ کر اس نے پستول کی نالی کا رخ علی کی طرف کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ فائر کرتا

اچانک ایک پولیس انسپکٹر چیختے ہوئے نمودار ہوا: ''خبردار! کوئی حرکت مت کرنا ورنہ مارے جاؤ گے۔'' قاسم ہکا بکا رہ گیا اس کا پستول والا اُٹھا ہوا ہاتھ نیچے گر گیا۔

اسی دوران علی بولا: ''انکل! اب آپ کو سارے ثبوت مل گئے ہیں۔ مجرم کو اپنے کیے کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔''

انسپکٹر بولا: ''بیٹا! فکر نہ کرو، قانون اس کو کڑی سزا دے گا۔''

قاسم اور سردار کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔ انسپکٹر دونوں کو اپنے ساتھ لے گیا۔ رقیہ بیگم اپنے شوہر کو زندہ سلامت دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

علی بولا: ''امی! آپ رو کیوں رہی ہیں۔ اب تو خوشیوں کے دن آئے ہیں۔ ہم ابا کا علاج کرائیں گے۔ آپ دیکھیے گا کہ یہ بہت جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔''

رقیہ بیگم نے علی کو سینے سے لگا لیا۔ جب کہ علی کے آنسو بھی اس کے رخسار پر گرنے لگے۔ ☆

اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ ۱۰۱ پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸- ستمبر ۲۰۱۴ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تا کہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جاسکیں۔

نوٹ: ادارۂ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

علم و دانش

سید ذوالفقار حسین نقوی

علم و دانش ہی اصل راحت ہے
طالب علموں کی جو ضرورت ہے

چل رہا ہے وہ حق کے رستے پر
علم سے جس کو بھی محبت ہے

جتنی کوشش کرو گے ، پاؤ گے
پیارے قرآن کی ہدایت ہے

محنتوں کا صلہ خدا دے گا
میرا ایقان ہے ، عقیدت ہے

ضائع کرنا نہ اپنا وقت کبھی
رنج اس میں ہے ، دکھ ہے ، کلفت ہے

دکھے دل کا جو درد بانٹو گے
یہی تہذیب ہے ، شرافت ہے

ہم مسلمان بھائی بھائی ہیں
رہنا مل جل کے اپنی عادت ہے

ہیں مدیرانِ ''نونہال'' عظیم
اُس رسالے کی اُن سے زینت ہے

سعدیہ اور مسعود دو ہیں بزرگ
رُشد ، برکات جن کی طینت ہے

رب کو پیارے ہوئے حکیم سعید
ہاں شہادت بڑی سعادت ہے

نقوی! کہتا ہے میرا دل تو یہی
زندگی کیا ہے ، رب سے اُلفت ہے

گندا بچہ

احمد عدنان طارق

معاذ گیارہ برس کا لڑکا تھا، مگر کبھی صاف ستھرا نہیں رہتا تھا۔ وہ کوئی بھی کام کر رہا ہو، کھیل کود میں مشغول ہو یا پڑھائی کر رہا ہو، کسی نہ کسی طرح وہ اپنے ہاتھ پاؤں گندے کر ہی لیتا۔ اکثر اس کی قمیص یا پتلون کسی نہ کسی جگہ سے پھٹی ہوئی ہوتی تھی۔ ماں پوچھتی تو وہ معصوم انداز میں ماں کو بتاتا کہ وہ صاف رہنے کی بہت کوشش کرتا ہے، مگر کسی نہ کسی طرح اس کے کپڑے گندے ہو ہی جاتے ہیں۔

ایک دن شہر میں اشتہار تقسیم ہو رہے تھے کہ ملک کا سب سے بڑا سرکس آٹھ دن کے لیے شہر میں اپنے فن کا مظاہرہ کرے گا۔ بچوں کے لیے تو یہ بڑی خوش خبری تھی۔ معاذ کے اسکول کی انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اسکول کی طرف سے بچوں کو سرکس دکھایا جائے گا۔ اسکول والوں نے اتوار کے دن بچوں کو دوپہر دو بجے اسکول بلوایا تھا، لیکن شرط یہ رکھی گئی کہ سرکس دیکھنے صرف وہ بچے جائیں گے، جن کے ہاتھ، پاؤں صاف ہوں گے اور انھوں نے صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوں گے، تاکہ لوگ تعریف کریں کہ اس اسکول کے بچے کتنے صاف ستھرے اور مہذب ہیں۔ اسکول کی انتظامیہ نے واضح طور پر بچوں کو بتایا کہ جو بچہ صاف ستھرا نہیں ہوگا، اسے سزا کے طور پر اسکول میں ہی چھوڑ دیا جائے گا۔

اگلے دن امی جان نے معاذ سے کہا کہ اب جلدی سے نہا دھو کر اپنے کپڑے پہنو، تاکہ تیاری میں دیر نہ لگے۔ معاذ نے جلدی جلدی اپنے دانت صاف کیے۔ نہانے کے دوران اس نے اپنے بال، چہرہ اور گھٹنے اچھی طرح سے صاف کیے۔ اس کے دانت چمک

رہے تھے، کپڑے بالکل صاف ستھرے تھے، اس کی امی جان نے اس کے بال بھی بڑے اچھے طریقے سے بنا دیے تھے۔ امی نے اُسے روانہ کرتے ہوئے نصیحت کی کہ اب راستے میں گندے مت ہو جانا۔

معاذ نے ماں سے وعدہ کیا اور اسکول کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ احتیاط سے چل رہا تھا، تاکہ راستے میں کیچڑ وغیرہ سے بچتا رہے۔ وہ اسکول کے نزدیک ہی تھا جب اس نے ایک ایسی آواز سنی جس نے اسے پریشان کر دیا۔ وہ ایک دودھ کی دکان کے قریب سے گزر رہا تھا۔ دکان کے فرش سے پانی کی نکاسی کا پائپ باہر نکلا ہوا تھا۔ اس پائپ کے اندر سے کسی کُتے کے پلّے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

معاذ نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پہلے تو اسے کچھ نظر نہ آیا، پھر غور کیا تو اسے یقین ہو گیا کہ پلّا ضرور پائپ میں ہی ہو سکتا ہے۔ معاذ کا دل بھر آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ پلّے کی کسی طرح مدد کرے۔ آخر معاذ کو سڑک کے کنارے گھٹنے زمین پر رکھ کر پائپ میں جھانکنا پڑا۔ خوش قسمتی سے اس کی پتلون کی جیب میں ایک چھوٹی سی ٹارچ موجود تھی۔ اس نے ٹارچ جلا کر پائپ میں دیکھا تو اسے پلّے کی آنکھیں چمکتی ہوئی نظر آئیں۔ پلّے نے روشنی دیکھ کر بھونک بھونک کر شور مچا دیا۔ وہ بے چارہ بہت ڈرا ہوا تھا۔ معاذ نے سوچا کہ اسے دودھ کی دکان کے مالک کو بتانا چاہیے، تاکہ وہ اس کی مدد کر سکیں۔ دکان دار کا نام احسان تھا۔

مالک دکان پر ہی تھا۔ معاذ نے کُتے کے پلّے کا سارا ماجرا بتایا۔ دکان کا مالک گھر سے ایک گوشت لگی ہڈی رسی سے باندھ کر لے آیا۔ معاذ نے اسے پائپ کے قریب لٹکایا تو پلّے نے پائپ سے باہر آنے کی کوشش شروع کر دی۔ جب پلّا پائپ کے کنارے تک پہنچا

تو معاذ نے اسے پائپ میں سے نکال دیا۔ پلّے کے گلے میں پٹّا بھی تھا۔ پلّے کی جان بچانے کے بعد معاذ کو خیال آیا کہ اسے اسکول پہنچنے میں دیر ہوگئی ہے۔ وہ تیزی سے اسکول کی طرف بھاگا۔

معاذ اسکول پہنچا تو اس کی جماعت ایک قطار میں ہیڈ ماسٹر صاحب کے دفتر کی طرف جارہی تھی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب خود بچوں کا معائنہ کررہے تھے۔ معاذ کو دیکھا تو اسے قطار سے نکال دیا۔ شرم کے مارے معاذ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ماسٹر صاحب نے معاذ کو بُری طرح ڈانٹا، کیوں کہ معاذ کے کپڑوں پر مٹی کے دھبے لگے ہوئے تھے۔ معاذ کے گھٹنے مٹی لگنے سے گندے ہو چکے تھے۔ معاذ نے ہیڈ ماسٹر صاحب کو پلّے والی بات بتانے کی کوشش کی، مگر ہیڈ ماسٹر صاحب نے غصے میں اس کی ایک نہ سنی۔ انھوں نے سزا کے طور پر کئی اور بچوں کے ساتھ معاذ کو بھی کلاس روم میں بھجوادیا، تاکہ جب تک صاف ستھرے بچے سرکس دیکھیں، اس وقت تک گندے بچے کلاس روم میں بیٹھ کر صفائی کے فائدوں پر مضمون لکھیں۔

معاذ مایوس نظروں سے سب کو دیکھتا ہوا اپنے کلاس روم میں چلا گیا، مگر اس کا دل کہہ رہا تھا کہ اس نے کُتے کے پلّے کو بچا کر کوئی غلطی نہیں کی۔ اُدھر دکان دار احسان نے کُتے کے پلّے کے گلے میں پڑے ہوئے پٹّے پر کچھ لکھا ہوا پڑھا تو اس پر اسی سرکس کا پتا لکھا ہوا تھا، جسے معاذ کے اسکول کے بچے دیکھنے گئے تھے۔ وہ فوراً پلّے کو لے کر سرکس کے گیٹ پر پہنچا اور اسے گیٹ کیپر کے حوالے کیا۔ گیٹ کیپر نے آواز دے کر پلّے کے مالک کو بلالیا۔ وہ سرکس کا مسخرہ تھا جس نے منھ پر مسخرے کا مخصوص مزاحیہ میک اپ کیا ہوا تھا۔ اس کا نام ثناءاللہ تھا۔ اس نے بتایا کہ یہ پلّا میرے ساتھ سرکس میں کرتب دکھاتا ہے۔ اس

کے بغیر میرا کام ادھورا رہ جاتا' پھر اس نے احسان کو سرکس کے فری پاس دینے چاہے تو احسان نے اسے بتایا کہ اصل میں پلے کی زندگی ایک بچے معاذ نے بچائی ہے، تمھیں اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ وہ اور اس کے اسکول کے دیگر لڑکے آج سرکس دیکھنے آ رہے ہیں۔ اب تک وہ پنڈال میں پہنچ چکے ہوں گے۔

''ہاں مجھے ضرور اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔'' یہ کہہ کر ثناء اللہ پنڈال میں چلا گیا۔

ثناء اللہ، ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس پہنچا اور انھیں معاذ کا سارا قصہ سنایا اور بتایا کہ وہ اس کا شکریہ ادا کرنے آیا ہے اور پھر اس نے ہیڈ ماسٹر صاحب کا بھی شکریہ ادا کیا کہ وہ اپنے اسکول کے بچوں کی اتنی اچھی تربیت کرتے ہیں۔ ہیڈ ماسٹر صاحب یہ سارا واقعہ سن کر حیران رہ گئے۔ انھوں نے ثناء اللہ کو بتایا کہ اس نے گندے کپڑے پہنے ہوئے تھے، اس لیے وہ سزا کے طور پر اسے اسکول چھوڑ آئے ہیں۔ ثناء اللہ نے ہیڈ ماسٹر صاحب سے کہا کہ ضرور اس کے کپڑے میرے کتے موتی کو پائپ سے نکالتے ہوئے گندے ہوئے ہوں گے، لیکن اس نے اتنا اچھا کام کیا تو اسے سزا تو نہیں ملنی چاہیے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کی بھی یہی رائے تھی۔ ثناء اللہ جو پوری طرح مسخروں والے لباس میں تھا، ہیڈ ماسٹر صاحب سے اجازت لے کر ایک بچے کے ساتھ اپنی موٹر سائیکل پر معاذ کو اسکول سے لانے کے لیے روانہ ہو گیا۔ ثناء اللہ نے اسکول کے دروازے پر اپنی موٹر سائیکل کھڑی کی اور معاذ کو آوازیں دینے لگا۔

معاذ ابھی تک اپنی کلاس میں بیٹھا صفائی کے فائدے لکھ رہا تھا۔ وہ باہر آیا تو سرکس کے مسخرے کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے سوچا شاید کہ وہ خواب دیکھ رہا ہے، مگر

جب ثناء اللہ نے قریب آ کر معاذ سے پوچھا کہ کیا وہ ہی معاذ ہے۔ اس نے ہاں میں سر ہلایا۔ ثناء اللہ نے اسے بتایا کہ جس پلّے کی اس نے مدد کی تھی وہ اسی کا ہے اور اس کے ساتھ سرکس میں کرتب دکھاتا ہے اور اب ہیڈ ماسٹر صاحب کی اجازت سے اسے سرکس میں لے جانے آیا ہے۔ معاذ فوراً غسل خانے میں گیا اور صاف ستھرا ہو کر باہر آیا۔ اس کا دل خوشی سے دھک دھک کر رہا تھا۔

سرکس ابھی شروع ہی ہوا تھا۔ ثناء اللہ، معاذ کو ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس چھوڑ کر اسٹیج پر چلا گیا، جہاں اسے کتے کے ساتھ کرتب دکھانے تھے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے معاذ کو اپنے ساتھ بٹھا لیا اور پیار سے اس کی کمر تھپتھپائی۔ کھیل ختم ہونے کے بعد معاذ نے ہیڈ ماسٹر صاحب سے وعدہ کیا کہ وہ خود کو ہمیشہ صاف ستھرا رکھے گا۔ پھر وہ ثناء اللہ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے اس کے کمرے میں گیا۔

اس نے ثناء اللہ کا شکریہ ادا کیا تو انھوں نے کہا: ''دوسروں کی مدد بے لوث کرنی چاہیے، کیوں کہ اس کے جواب میں لوگ بھی آپ کی مدد کریں گے۔''

موتی بھی اپنی دُم ہلانے لگا جیسے ثناء اللہ کی بات کی تائید کر رہا ہو۔ ☆

ای-میل کے ذریعے سے

ای-میل کے ذریعے سے خط وغیرہ بھیجنے والے اپنی تحریر اردو (ان پیج نستعلیق) میں ٹائپ کر کے بھیجا کریں اور ساتھ ہی ڈاک کا مکمل پتا اور نیلے فون نمبر بھی ضرور لکھیں، تا کہ جواب دینے اور رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے بغیر ہمارے لیے جواب ممکن نہ ہو گا۔

hfp@hamdardfoundation.org

لندن میں بھکاری

مسعود احمد برکاتی

لندن میں بھی لوگ بھیک مانگتے ہیں۔ واقعی؟ کہیں یہ بھی خیال کا کرشمہ تو نہیں ہے، مگر نہیں میں نے خود ابھی فقیر کو دس پنس کا سکہ تھمایا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ بھکاری پن مجبوری کا نام نہیں ہے، بلکہ بُری عادت یا خراب ذہنیت بھیک منگواتی ہے۔ غیرت مند آدمی چاہے کتنا ہی ضرورت مند ہو، کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلائے گا۔ جس نے ہاتھ پھیلا لیا وہ تو نہ غیرت مند رہا اور نہ غریب۔ انگلستان میں تو ہر بے روزگار کو الاؤنس ملتا ہے اور جب تک آدمی کو کام نہیں مل جاتا، الاؤنس ملتا رہتا ہے۔ تو پھر بھوکے مرنے کا کیا سوال۔ وہاں اگر کوئی بھیک مانگتا ہے تو وہ خود اس کا ذمے دار ہے، معاشرے کو بُرا نہیں کہا جا سکتا۔ پاکستان میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہاں اگرچہ زیادہ تر لوگ فاقے کی بنا پر نہیں، بلکہ فاقہ مستی کی وجہ سے بھیک مانگتے ہیں اور خوب دولت جمع کرتے ہیں، لیکن پھر بھی ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ کون مجبور ہے اور کون بے غیرت۔ ہم نے امیر بننے اور امیری کی شان دکھانے کے شوق کو اتنا بڑھا لیا ہے کہ اگر ہمیں کوئی ''مال دار بھکاری'' کہے تو ہم شاید اس سے بھی خوش ہوں گے۔ اب اس دوڑ میں کچھ اِکا دُکا کم زور لوگ بھی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو محنت، دیانت اور لیاقت کے بہکائے میں آ کر پیچھے رہ جاتے ہیں اور پریشان ہونے کے علاوہ سب کے بُرے بھی بنتے ہیں۔ بھوک تو واقعی بھیک منگوا دیتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مفلسی انسان کو کفر کے قریب لے جاتی ہے۔ اگر ہم ایسا نظام قائم کر دیں کہ کوئی شخص بھوکا نہ مرے اور ہر تن درست آدمی کو کام ملے تو بھیک ہی نہیں بہت سی دوسری بُرائیاں بھی دور ہو جائیں۔ انگلستان میں فقیر اِکا دُکا ہیں۔ ہمارے ہاں کمی نہیں اور بہت سے امیر بھی اندر سے فقیر ہیں۔ ☆

(سفرنامہ ''دو مسافر دو ملک'' سے ایک اقتباس)

پیغام

شمس القمر عاکف

ذکر پروردگار کرتے چلو
اپنے دل کو بہار کرتے چلو

دل کی تسکین بس اسی میں ہے
یہ عمل بار بار کرتے چلو

رب کا محبوب تم کو بننا ہے؟
اس کے بندوں سے پیار کرتے چلو

جان دی ہے خدا نے جب تم کو
جان اُس پر نثار کرتے چلو

رب جو دے دے لٹاؤ خَلقت پر
بس یہی کاروبار کرتے چلو

پھول اُگاؤ جہاں پہ کانٹے ہیں
ہر خزاں کو بہار کرتے چلو

خوش نصیبو! یونہی رہو خوش تم
بدنصیبوں سے پیار کرتے چلو

نیکی کے وارث

م۔ ندیم علیگ

حاجی کلّن ایک غریب آدمی تھے۔ وہ گاؤں میں رہتے تھے، جہاں ان کی گزر بسر بہت مشکل سے ہوتی تھی، اس لیے اب سے پچیس تیس برس پہلے وہ قسمت آزمانے کے لیے اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ شہر آ گئے تھے۔

ان کو شہر میں ایک تمبا کو کے تاجر کے ہاں کام مل گیا۔ وہ تمباکو کا مسالا بنایا کرتے تھے۔ یہ کام وہ بہت محنت اور ایمان داری سے کرتے تھے۔ تاجر ان سے بہت خوش تھا۔ اس نے اپنے کارخانے کے ایک حصے میں ان کے خاندان کو رہنے کے لیے جگہ دے دی تھی۔ اب انھوں نے دکان کا پورا کام بھی سیکھ لیا تھا۔

چند سال بعد اس تاجر کا انتقال ہو گیا اور اس کے بیٹوں اور وارثوں کے درمیان جائداد اور کاربار کی تقسیم پر جھگڑا ہو گیا اور مقدمے بازی ہوئی، جس کے نتیجے میں تمباکو کا کارخانہ بند ہو گیا۔ اب حاجی کلن بے کار ہو گئے۔ چوں کہ حاجی کلّن تمباکو کا مسالا بنانا جانتے تھے، اس لیے انھوں نے بازار میں ایک دکان دار کے پاس بیٹھ کر تمباکو کا مسالا بنا بنا کر بیچنا شروع کر دیا۔ چار پانچ سال میں ان کا کام خوب چل نکلا اور بیس سال میں وہ شہر میں تمباکو کے سب سے بڑے تاجر بن گئے۔ انھوں نے حج بھی کر لیا اور ''سیٹھ حاجی کلّن تمباکو والے'' کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ان کے کام میں ان کے ایک بھائی اور ان کے بیٹے بھی شریک تھے اور سب لوگ نہایت محنت اور ایمان داری کے ساتھ کام کرتے تھے۔

حاجی کلّن بہت سادہ مزاج تھے۔ سب کے ساتھ محبت سے پیش آتے اور جھک کر

پاس کوئی راستہ بھی تو نہیں ۔ اگر ہم ہوٹل ڈھونڈیں گے تو جو رقم ہمارے پاس ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی ، اللہ کا نام لیں اور ان کے ساتھ چلے ہی چلیں ۔''

''چلیں بابا جی ! آپ کا بہت بہت شکریہ ، میں شرمندہ ہوں کہ آپ کے ساتھ سخت انداز میں پیش آیا ۔'' اس کی بات سن کر بابا جی مسکرائے اور انھوں نے بڑے بچے کا ہاتھ تھام لیا: ''بیٹا ! اپنا نام تو بتاؤ ؟''

وہ آنکھیں مٹکا کر بولا : ''میرا نام فہد ہے اور ابو کا نام محمد سلیمان احمد ہے ، میں اسکول بھی جاتا ہوں ۔''

''بس اب یہ پورا سبق سنا کر چھوڑے گا ۔'' سلیمان نے مسکرا کر کہا ۔

اسٹیشن کے بہت نزدیک کچھ چھوٹے چھوٹے مکان بنے ہوئے تھے ۔ ان ہی میں سے ایک مکان بابا جی کا تھا ۔ بابا جی کی بیوی اماں جی بھی تمام تفصیل سن کر بہت محبت سے بولیں : ''بیٹا ! اسے اپنا ہی گھر سمجھو ، جب تمھارا انتظام ہو جائے تو بے شک چلے جانا ۔''

''بہت بہت شکریہ اماں جان ! اللہ کرے مجھے کوئی کام مل جائے ، تاکہ میں واپسی کے ٹکٹ خرید سکوں ۔'' سلیمان نے کہا ۔

''آمین ، چلو بیٹا ! پہلے ہاتھ منھ دھولو ، پھر میں تمھارے لیے چائے لاتی ہوں ، بہت لمبا سفر کر کے آئے ہو ، تھک گئے ہو گے ۔'' اماں جی نے کہا ۔

ان بزرگوں کی محبت اور خاطر داری سے ایسا لگتا تھا کہ جیسے سچ مچ وہ ان کے والدین ہوں ۔ چار دن گزر گئے ۔ سلیمان کو کوئی کام نہیں ملا ، جو رقم اس کے پاس تھی وہ بھی خرچ ہو گئی ۔ بزرگوں کے کہنے سے وہ بیوی بچوں کو گھمانے بھی لے گیا ، تاکہ آنے کا مقصد پورا ہو جائے ۔ کئی دن گزر گئے ۔ پانچویں دن وہ بہت پریشان تھا تب بابا جی نے پوچھا : ''کیا بات ہے بیٹا ! آج تم پھر بہت اُداس ہو؟''

نظریں جھکائے زمین کو گھورتا رہا اور پھر بڑی آہستگی سے بولا: ''مجھے لگتا ہے مجھے لوگوں سے بھیک مانگنا پڑے گی یا...... یا پھر کسی سے قرض لینا پڑے گا، مگر مجھ انجان کو قرض دے گا کون؟''

''بیٹا! تم کل میرے ساتھ میرے دفتر چلو، میرا باس نیک آدمی ہے، شاید وہ تمھاری کوئی مدد کر سکے۔'' بابا جی نے اسے تھپتھپا کر کہا۔

سلیمان کی آنکھوں میں چمک سی آ گئی۔ بابا جی کا باس تھا تو نیک آدمی، مگر وہ بھی ایک انجان شخص کو قرض دیتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ سلیمان نے بڑی التجا سے کہا: ''سر! آپ فکر نہ کریں، میں اپنے شہر پہنچ کر آپ کو پندرہ دن کے اندر اندر رقم واپس کر دوں گا، آپ مجھ پر اعتماد کریں، میں دھوکے باز نہیں ہوں۔''

بابا جی نے بھی اس کی سفارش کی تو باس مان گیا اور اس نے سلیمان کو دس ہزار روپے قرض دے دیا۔ سلیمان نے بڑی عاجزی سے اس کا شکریہ ادا کیا اور ایک صفحے پر باس کا پتا لکھ لیا۔ ٹکٹ خرید کر وہ واپسی کی تیاری کرنے لگا۔ اماں جی خاموش بیٹھی تھیں، ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ فہد اور ننھے ارسلان کے ساتھ ان کا دل لگ گیا تھا۔ رخسانہ بھی بیٹیوں کی طرح اُن کا ہاتھ بٹاتی رہی تھی۔

''اماں جی! آپ پریشان نہ ہوں، ہم پھر آئیں گے، بلکہ آپ کو اپنے ساتھ اپنے شہر لے جائیں گے۔'' سلیمان کہہ رہا تھا اور رخسانہ سر ہلا کر اس کی تائید کر رہی تھی۔

وہ لوگ چلے گئے گھر میں سناٹا چھا گیا۔ بابا جی اور اماں جی اس دن بہت خاموش اور اُداس بیٹھے جانے والوں کو یاد کرتے رہے اور پھر دن گزرنا شروع ہوئے تو دیکھتے ہی دیکھتے بیس دن گزر گئے تو باس نے بابا جی سے کہا: ''بابا جی! لگتا ہے وہ دھوکے باز تھا۔ پندرہ دن کا کہا تھا، آج بیس دن ہو گئے کوئی رقم واپس نہیں آئی۔''

بابا جی کے دل کو دھچکا سا لگا: ''نہیں سر! وہ ضرور آپ کی رقم بھیجے گا، شاید کوئی

مجبوری ہو گئی ہو گی ۔''

''کوئی مجبوری نہیں ہوئی ہو گی ، آج کل لوگ اسی طرح دوسروں کو بے وقوف بنا کر رقم بٹور لیتے ہیں ۔ آپ دیکھ لیجیے گا وہ رقم نہیں بھیجے گا ۔'' باس نے پُر یقین لہجے میں کہا۔

بابا جی گھر آ کر اماں جی سے بھی یہی باتیں کرتے رہے ۔ ان کا خیال تھا شاید ایک آدھ ہفتے میں رقم آ جائے گی ، مگر ان کا خیال غلط ثابت ہوا ، ہفتہ چھوڑ مہینا گزر گیا ۔ اب بابا جی نے باس سے کہا: ''میں شرمندہ ہوں ، میری وجہ سے آپ نے اسے قرض دیا ، آپ یوں کریں کہ میری تنخواہ سے ہر ماہ ایک ہزار روپے کاٹ لیا کریں ۔''

''نہیں ...... اس طرح آپ کا گزارا مشکل ہو جائے گا ، آپ فکر نہ کریں دیکھا جائے گا ۔'' باس نے فراخ دلی کا ثبوت دیا ۔ اس واقعے کو تین ماہ گزر گئے ، اب تو وہ لوگ اس واقعے کو فراموش کر چکے تھے ۔

ایک دن بابا جی کے دروازے پر دستک ہوئی ۔ بابا جی نے دروازہ کھولا تو حیرت اور خوشی کی سے ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے ۔ باہر سلیمان کھڑا تھا: ''بابا جی ! السلام علیکم ، کیسے ہیں آپ ؟'' وہ بابا جی کے گلے لگ گیا ۔

''میں ٹھیک ہوں ، مگر وہ ...... بیٹا !'' بابا جی کچھ اُلجھن محسوس کر رہے تھے ۔

''میں جانتا ہوں ، آپ سوچ رہے ہوں گے کہ باس کی رقم لے کر بھاگ گیا ۔ نہیں بابا جی ! دراصل ہوا یوں کہ باس کا پتا جس کاغذ پر لکھا تھا فہد نے میری جیب سے نکال لیا ۔ اس وقت ہم ٹرین میں بیٹھے تھے ۔ ابھی میں اس سے وہ کاغذ پکڑنا ہی چاہتا تھا کہ اس نے چلتی ٹرین کی کھڑکی سے وہ کاغذ ہوا میں اُچھال دیا اور خوشی سے اُچھلنے لگا ۔ مجھے اس قدر غصہ آیا کہ اسے تھپڑ رسید کر دیا ۔ وہ تو رخسانہ نے منع کر دیا ورنہ میں اسے اور مارتا ۔ اس کاغذ کے گُم ہو جانے کی وجہ سے میں باس کی رقم واپس نہ لوٹا سکا اور مجھے آپ کے مکان کا

نمبر بھی یاد نہیں تھا، اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں خود آپ کے پاس آؤں اور آپ کو رقم لوٹا دوں، مگر مجھے بھی دفتر سے اتنی جلدی چھٹیاں نہیں مل سکتی تھیں، اب جا کر چھٹی ملی تو میں چلا آیا۔

یہ لیں بابا جی! باس کے دس ہزار روپے اور یہ ان کا تحفہ......اور یہ تحفے میں آپ کے لیے لایا ہوں، بلکہ اب تو آپ دونوں کو میرے ساتھ چلنا ہے، رخسانہ نے کہا ہے کہ آپ دونوں کو ساتھ لے کر آؤں۔''

سلیمان کہتا جا رہا تھا اور بابا جی اپنے تصور میں اپنے باس کو رقم لوٹاتے ہوئے بڑے فخر سے کہہ رہے تھے: ''دیکھا میں نہ کہتا تھا وہ آپ کی رقم ضرور لوٹائے گا، وہ دھوکے باز نہیں، ایمان دار ہے، ہر کوئی دھوکے باز نہیں ہوتا۔'' ☆

علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کر کے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ

شاعر : فاضل عثمانی

انتخاب : عائشہ سہیل، جگہ نامعلوم

پوچھتے کیا ہو کہ کیا ہیں عائشہؓ
ناشرِ دینِ ہدیٰ ہیں عائشہؓ
ذات ان کی دہر میں انمول ہے
ہاں وہ دُرِّ بے بہا ہیں عائشہؓ
حکمِ خالق سے بنیں زوجِ رسولؐ
یعنی خالق کی عطا ہیں عائشہؓ
سورۂ نور آئی انؓ کی شان میں
مرحبا ، صد مرحبا ہیں عائشہؓ
اخذ کرلی آپؐ کی اِک اِک ادا
یعنی حضرتؐ کی ادا ہیں عائشہؓ
اُمہات المومنین میں منفرد
مرتبہ جن کو ملا ، ہیں عائشہؓ
دین نے دیکھے انؓ میں اپنے خدوخال
دین کا روشن آئینہ ہیں عائشہؓ
احمدؒ و مسلمؒ ، بخاریؒ متفق
شارحِ دینِ ہدیٰ ہیں عائشہؓ

۸۲۳ سال بعد

مرسلہ : مہک اکرم، لیاقت آباد

ماہِ اگست ۲۰۱۴ء میں جمعہ، ہفتہ اور اتوار کے دن ۵، ۵ بار آئے ہیں اور ایسا ۸۲۳ برس بعد ہوا ہے۔ ۸۲۳ برس قبل اگست ۱۱۹۱ء برطانوی حکمران رچرڈ نے فلسطین پر چڑھائی کی تھی اور ہزاروں مسلمانوں کو شہید کیا، جب کہ مردو خواتین اور بچوں کو قیدی بنا لیا تھا۔ اس کے جواب میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے بھی ہزاروں صلیبی قیدیوں کو ہلاک کردیا۔ بعد میں ایک معاہدے کے تحت صلیبی جنگ ٹھنڈی ہوئی۔

اس معاہدے کے مطابق بیت المقدس مسلمانوں کے پاس رہے گا، لیکن وہاں عیسائی بھی آ جا سکیں گے۔ آج ۸۲۳ برس بعد وہی ماہ اگست دوبارہ آ چکا ہے۔ فلسطین آج بھی لہولہان ہے۔ غزہ میں معصوم بچوں کا قتل عام کیا جا رہا ہے اور معصوم بچوں کا خون کسی صلاح الدین ایوبی کو پکار رہا ہے۔

سیب اور نیوٹن

تحریر : ابنِ انشا

مرسلہ : محمد حبیب الرحمٰن، کراچی

آئزک نیوٹن ایک دن باغ میں بیٹھا تھا کہ ایک سیب ٹوٹ کر سامنے آ گرا۔ ہم آپ کی طرح کا آدمی ہوتا تو اِدھر اُدھر دیکھ کر کہ مالی تو نہیں دیکھ رہا، دو چار وہیں کھا لیتا یا جیب میں اُڑس لیتا، کیوں کہ اس زمانے میں تو ان کے چوغے ایسے ہوتے تھے کہ بہ آسانی ہر جیب میں درجن بھر سیب سما سکتے تھے، لیکن اس بھلے مانس نے اس پر غور کرنا شروع کیا کہ سیب گرا کیوں؟ اگر ٹوٹا تھا تو آسمان کی طرف کیوں نہ چلا گیا؟ زمین پر کیوں گرا؟ سوچتے سوچتے اس نے کشش ثقل دریافت کر لی۔

یہ کتابوں میں لکھا ہے، ٹھیک ہی لکھا ہوگا، ویسے ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیسے دریافت کر لی اور اس کا کیا فائدہ ہوا اور اگر سیب کے بجائے آڑو گرا ہوتا تو موصوف کون سی کشش دریافت کرتے۔ اللہ شہرت بھی تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔ اگر وہ سیبوں کا موسم نہ ہوتا تو نیوٹن کا نام کوئی نہیں جانتا۔

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے

نظم : نظیر اکبرآبادی

پسند : تحریم خان، نارتھ کراچی

جو عمر کو مفت گنوائے گا
وہ آخر کو پچھتائے گا
بیٹھے ہاتھ کچھ نہ آئے گا
جو ڈھونڈے گا، وہ پائے گا
تو کب تک دیر لگائے گا
یہ وقت بھی آ کر جائے گا
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

یہ دنیا آخر فانی ہے
اور جان بھی ایک دن جانی ہے
پھر تجھ کو کیوں حیرانی ہے
کر ڈال جو دل میں ٹھانی ہے
جب ہمت کی جولانی ہے
تو پتھر بھی پھر پانی ہے
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

جو ڈر گیا وہ مر گیا

مرسلہ : اسریٰ خان، کراچی

جاپان میں دو دوست تھے۔ ایک کا نام ''جو'' تھا اور دوسرے کا نام ''وہ'' تھا۔

ایک دن جو کے پاس جن آیا۔ ''جو'' نے ڈر کر ''وہ'' کو پکارا۔ ''وہ'' جن کو دیکھ کر مرگیا۔ اسی لیے تو کہتے ہیں: ''جو ڈر گیا، وہ مر گیا۔''

پاکستان زندہ باد

مرسلہ : وجیہہ اقبال احمد فاروقی، کراچی

☆ قائداعظم محمد علی جناح نے ۳ جون ۱۹۴۷ء کو آل انڈیا ریڈیو سے پہلی بار ''پاکستان زندہ باد'' کا نعرہ لگایا۔

☆ ''پاکستان اسلام کا قلعہ ہے'' یہ الفاظ سب سے پہلے شاہ فیصل شہید نے کہے تھے۔

☆ ''خدا پاکستان کی حفاظت کرے'' شہادت کے وقت قائدِ ملت لیاقت علی خاں کے آخری الفاظ تھے۔

☆ ہفت روزہ اخبار ''پاکستان'' چودھری رحمت علی نے لندن سے جاری کیا تھا۔

☆ پاکستان کے قومی ترانے کی دھن ''عبدالکریم چھاگلہ'' نے بنائی۔

☆ پاکستان کا قومی پرچم ''امیر قدوائی'' نے تیار کیا تھا۔

☆ پاکستان کا قومی پرچم سب سے پہلے ''علامہ شبیر عثمانی'' نے لہرایا تھا۔

☆ پاکستان کا قومی نعرہ ''پاکستان زندہ باد'' ہے۔

مہکتی کلیاں

مرسلہ : محمد قمر الزماں، خوشاب

❀ سچ کہہ دینے سے ذہن کو خلفشار سے نجات مل جاتی ہے۔

- غم کتنا ہی سنگین ہو، نیند سے پہلے تک ہوتا ہے۔
- جو شخص ناممکن کے پیچھے بھاگتا ہے، وہ ممکن سے بھی رہ جاتا ہے۔
- رات کو بھوکا سو جانا، صبح قرض دار جاگنے سے بہتر ہے۔
- ہمت والوں کے آگے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔
- ہر جملہ خوب صورت ہے، اگر وہ ہماری امیدوں کے مطابق ہو۔
- تحریر ہی وہ چیز ہے، جو زندہ رہتی ہے۔

ہونی سے کیا ڈرنا

مرسلہ : سیدہ اریبہ بتول، کراچی

ایک شخص ملاح کے ساتھ کشتی میں سفر کر رہا تھا۔ سمندر میں خوف ناک لہریں کشتی کے ساتھ زور زور سے ٹکرا رہی تھیں۔

آدمی نے ملاح سے سوال کیا: ''کیا تمھیں کشتی چلاتے ہوئے خوف محسوس ہوا ہے؟''

ملاح نے جواب دیا: ''نہیں۔''

آدمی نے پھر پوچھا: ''تمھارے باپ کی وفات کیسے ہوئی تھی؟''

ملاح نے جواب دیا: ''سمندری طوفان کی وجہ سے۔''

آدمی نے پھر پوچھا: ''اور تمھارے دادا کا انتقال کیسے ہوا؟''

ملاح نے بتایا: ''وہ بھی اسی طرح فوت ہوئے تھے۔''

آدمی نے پوچھا: ''اس کے باوجود بھی تمھیں کشتی سے ڈر نہیں لگتا؟''

ملاح نے آدمی سے سوال کیا: ''جناب! آپ کے والد صاحب کہاں فوت ہوئے؟''

آدمی نے کہا: ''بستر پر۔''

ملاح نے پھر دادا کے متعلق پوچھا تو اس آدمی نے کہا کہ وہ بھی بستر پر ہی گزر گئے۔''

اس پر ملاح نے برجستہ پوچھا: ''آپ کو بستر پر سونے سے ڈر نہیں لگتا؟''

☆☆☆

سچ کی جیت

تمثیلہ زاہد

سچ میٹھا اور جھوٹ کڑوا ہوتا ہے۔ ان دونوں کی جنگ ہمیشہ سے جاری ہے۔ دونوں ہی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ سچ میٹھا اور پُراثر ہوتا ہے۔ یہ روشن، پاک و صاف زندگی کا پیغام سناتا ہے۔ جھوٹ کا کام لوگوں کو بُرائی کی دلدل میں دھنسا کر تکلیف دینا ہے، یعنی یہ ایک شیطانی عمل ہے۔ سچ لوگوں کو جھوٹ سے بچانے اور نیک عمل کرنے کی ترغیب دینے میں لگا رہتا ہے۔

سچ ایک بار اپنی سوچوں میں گُم کہیں چلا جا رہا تھا کہ اچانک اس کی ملاقات سامنے سے آتے ہوئے جھوٹ سے ہوگئی۔

جھوٹ، سچ کے راستے میں اکڑ کر کھڑا ہوگیا۔ پھر ایک خوف ناک قہقہہ لگا کر بولا:
''کہاں جا رہے ہو؟ آج کون سا کارنامہ دکھانے کا ارادہ ہے، ہمیں بھی بتاؤ۔''

سچ نے اس کی بات سن کر منھ پھیر لیا۔

ایک مرتبہ پھر جھوٹ کا قہقہہ فضا میں بلند ہوا، پھر بولا: ''تم کچھ بھی کر لو، مجھ جیسی طاقت تم میں نہیں ہے، جب ہی تم اکثر مجھ سے ہار جاتے ہو۔ کل ہی کی بات لے لو، تم نے کتنا چاہا ٹھیلوں میں بکنے والی گندی چیزیں ببلو اور اس کے دوست خرید کر نہ کھائیں، لیکن دیکھو ان سب نے تمھارا کہنا نہ مانا۔ ٹھیلوں کی گندی چیزیں کھا بھی لیں اور آج بیمار ہونے کی وجہ سے وہ سب اسکول نہیں جا سکے۔ دیکھو گھر جا کر انھوں نے اپنے والدین سے جھوٹ ہی بولا تھا کہ ہم نے باہر سے کچھ لے کر نہیں کھایا۔'' جھوٹ نے مذاق اُڑاتے

ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

سچ نے تحمل سے کہا: ''تمھاری بات میں نہیں مانتا۔ دیر سے سہی، لیکن جیت آخر میری ہی ہوتی ہے۔''

''ٹھیک ہے پھر ابھی پتا چل جاتا ہے کہ کون کتنا طاقت ور ہے۔'' جھوٹ تکبّر سے بولا۔

پھر وہ دونوں چل پڑے۔ آگے جا کر دیکھا کہ ایک ہرا بھرا باغ جو پھولوں سے لدا ہوا تھا، وہاں دو بچے کھیل رہے تھے۔ وہ رنگ برنگے پھولوں کو دیکھ کر لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اچانک ایک بچے نے ایک نہایت خوب صورت گلاب کا پھول بے دردی سے توڑ لیا۔ پھول کی شاخ سے جڑے دوسرے پھولوں کی پتیاں ٹوٹ کر زمین پر بکھر گئیں۔ شاخ اپنے کئی پھولوں کی خوب صورتی سے محروم ہو گئی۔

دوسرے بچے نے اس حرکت پر اسے ڈانٹا، اسی وقت دور سے باغ کا مالی آتا دکھائی دیا۔ عام لوگوں کا آنا منع تھا۔ بلا اجازت دو لڑکوں کو اپنے باغ میں ٹہلتے ہوئے دیکھ کر وہ ان کی طرف آیا تھا۔ دونوں لڑکوں نے مالی کو دیکھتے ہی دوڑ لگا دی، لیکن مالی نے پُھرتی سے دونوں لڑکوں کو کچھ ہی دور جا کر پکڑ لیا۔ پھول توڑنے والے بچے نے پھول پُھرتی سے اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔

''تم دونوں کیا کر رہے ہو یہاں پر؟'' مالی نے غصے سے پوچھا۔

''کچھ نہیں ہم تو ایسے ہی باغ میں ٹہل رہے تھے۔ معاف کیجیے گا، آیندہ نہیں آئیں گے۔''

پہلے بچے نے جھوٹ بولا۔ مالی بابا یہ سن کر دوبارہ نہ آنے کی تاکید کر کے چلا گیا۔ یہ منظر دیکھ کر جھوٹ خوشی سے پھول گیا اور فخر سے سچ کی طرف معنیٰ خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

دوسرا دوست باغ سے نکل کر بولا: ''ایک تو تم نے پھول توڑا اور پھر مالی بابا سے جھوٹ بھی بولا۔''

''تو کیا ہوا؟ اگر میں نے جھوٹ بول دیا تو مالی بابا کو کیا نقصان ہوا۔'' وہ بچہ پھول ہوا میں اُچھال کر خوش ہوتے ہوئے بے پروائی سے بولا۔ پھول حاصل کرنے کی مسرت اس کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔ اچانک پھول اس کے ہاتھ سے گر گیا اور بے خیالی میں اسی کے پیروں تلے کچل گیا۔ وہ جھک کر کچلے ہوئے پھول کو دیکھنے لگا۔

''دیکھ لیا تم نے، تمھارے ہاتھ کچھ نہ آیا، البتہ تمھیں گناہ ضرور مل گیا ہے۔'' دوسرے دوست نے افسوس سے کہا۔

''گناہ کس بات کا؟'' پہلا دوست حیرانی سے بولا۔

''دیکھو تم نے مالی بابا سے اپنا جرم چھپانے کی خاطر جھوٹ بولا۔ مالی بابا کو تمھارے جھوٹ کا پتا نہیں چلا، لیکن اللہ سب دیکھ رہا ہے۔ اگر تم سچے دل سے آیندہ جھوٹ نہ بولنے کا عہد کر لو اور مالی بابا سے معافی مانگ لو تو اللہ بھی معاف کر دے گا۔'' دوسرا دوست سمجھاتے ہوئے بولا۔

پہلا دوست ندامت کے مارے سر جھکائے رہا اور خاموشی سے اپنے دوست کی باتیں سنتا رہا۔ اسے اپنے والدین اور اسلامیات کی استانی کی باتیں یاد آ رہی تھیں کہ

جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔''

پہلا دوست مزید شرمندہ ہوا اور اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اسے لگا جیسے اس کا دل بھی اسے مالی بابا سے معافی مانگنے پر اُکسا رہا ہے کہ اگر آج اس نے اپنی اس غلطی کی معافی نہ مانگی تو یقیناً یہ اس کی عادت کا حصہ بنتی چلی جائے گی اور پھر اس جھوٹ کی بنیاد پر جو عمارت بنے گی وہ ناپائیدار ہوگی، لیکن اس وقت تک دیر ہو چکی ہوگی۔ اس کی ہتھیلیاں جھوٹ کا انجام سوچ کر بھیگنے لگیں۔

''چلو، مالی بابا کے پاس چلتے ہیں۔'' پہلا دوست بولا۔ دوسرا دوست خوشی خوشی اس کے ہمراہ مالی بابا کے باغ کی جانب رواں تھا۔

یہ منظر دیکھ کر سچ نے جھوٹ کی طرف فاتح نظروں سے دیکھا تو وہ اپنا منھ چھپائے دوسری سمت جا رہا تھا۔ جھوٹ کبھی نہ کبھی ضرور شکست کھاتا ہے۔ ☆

آخری قرض

شیخ نثار احمد

چالیس پینتالیس سال کے ایک صاحب سادہ لباس میں میرے پیپر مارکیٹ والے نئے آفس میں تشریف لائے: ''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام! تشریف رکھیے۔''

وہ سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے فرمانے لگے: ''میں آپ کے کپڑا مارکیٹ والے پرانے آفس سے پتا معلوم کر کے ڈھونڈتا ڈھونڈتا یہاں پہنچا ہوں۔ آپ نے مجھے پہچانا؟''

میں نے اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے مسکرا کر اپنے سر کی طرف اشارہ کر کے کہا: ''بھائی! اب یہ کمپیوٹر بہت پرانا ہو گیا ہے۔ آہستہ آہستہ چلتا ہے۔ یہ میری کم زوری ہے، جس کا میں اکثر اعتراف بھی کرتا ہوں۔ لوگ محفلوں میں آگے بڑھ کر بڑے خلوص سے ملتے ہیں۔ یہ بھی یاد آتا ہے کہ ان سے بڑی اچھی ملاقات رہی ہے، مگر اس وقت نام یاد نہیں آتا ہے۔ یہ الگ بات ہے سامنے والے کو احساس نہیں ہونے دیتا۔''

''میرا نام احسان ہے۔'' انھوں نے اپنا تعارف کرانا شروع کیا۔ ''مجھے آپ کی کچھ رقم دینی ہے، آپ کو کچھ یاد آیا؟ ۱۹۹۴ء کی بات ہے جب آپ کپڑے کا کام کرتے تھے، میں وہ رقم لوٹانے آیا ہوں۔''

میری دل چسپی بڑھی۔ آخر وہ کون سا جذبہ ہے، جو اتنے عرصے کے بعد بھی یہ شخص اپنا قرضہ واپس کرنے آ گیا ہے۔ جب کہ یہ رقم ہم بھول بھی چکے ہیں اور یہ شخص کہہ رہا ہے کہ یہ رقم دینی ہے۔

احسان صاحب نے یاد دلانا شروع کیا: ''میری دکان شاہ فیصل کالونی میں تھی۔ آپ کے پرانے گاہک زاہد صاحب کے ساتھ آیا تھا۔ آپ سے کپڑا خریدا کرتا تھا۔''

پھر کچھ یاد آنا شروع ہوا۔ ان دنوں زاہد صاحب سے کافی اچھا لین دین تھا۔ وہ احسان صاحب کو لے کر آئے تھے اور ان کی تعریف کی تھی۔ پھر ان ہی کی معرفت پتا چلا تھا کہ احسان صاحب مالی بحران کا شکار ہیں۔ چھوٹی سی دکان تھی۔ کچھ لوگوں سے اختلافات ہو گئے۔ آخر دکان بند کر دی اور پھر نوکری کر لی۔ بیٹا کوئی نہیں، بیٹیاں ہیں۔ نوکری سرکاری محکمے میں ہے۔ پوری دیانت سے پورا وقت دے کر سرکاری محکمے میں حلال روزی کماتے ہیں۔ تنخواہ تیس ہزار ہے۔ مطمئن ہیں، صابر و شاکر ہیں۔ پروردگار کے شکر گزار ہیں کہ اللہ نے دین کی سمجھ دی ہے، دنیا سے کوئی گلہ شکوہ نہیں، صرف آخرت کی فکر ہے۔

احسان صاحب نے کہا: ''بہت سے لوگوں کا قرضہ تھا، مالک نے آہستہ آہستہ سب اُتروا دیا ہے۔ صرف آپ کا یہ آٹھ ہزار کا آخری قرض رہ گیا تھا، آج اُتارنے آیا ہوں۔''

میں نے کہا: ''ہمارے پاس تو اتنا پرانا کارڈ نہیں ہے۔ ہمارے حسابات ۱۹۹۷ء سے کمپیوٹر ائز ہوئے ہیں اور یہ رقم ہمارے کھاتے میں نہیں ہے۔ بس آپ آ گئے یہ کافی ہے۔ ہم یہ قرض آپ کو معاف کرتے ہیں۔''

وہ بضد رہے کہ ان کو یہ رقم دینی ہی ہے۔ اے ٹی ایم مشین یہاں قریب میں کہاں لگی ہے، یہ معلوم کر کے چلے گئے۔ میرا خیال تھا کہ بس معاف کرا کر چلے گئے ہوں گے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ۸۰۰۰ روپے لے کر آ گئے اور شرمندگی کا اظہار کیا کہ رقم تو اس وقت کے حساب سے کچھ نہیں، جو قدر ۱۹۹۴ء میں تھی اس حساب سے تو اس وقت بہت زیادہ ہونی چاہیے، مگر شریعت، بڑھا کر دینے کی اجازت نہیں دیتی۔

میں نے رقم ان کے ہاتھ سے لے کر کہا: ''لیجیے جناب! آپ کا قرضہ ادا ہو گیا۔ اب آپ میری خوشی کی خاطر اس کو ہدیہ سمجھ کر رکھ لیجیے، مگر وہ کسی صورت راضی نہ ہوئے بولے کہ یہ آپ کسی ضرورت مند کو دے دیجیے گا اور چلے گئے۔

☆

بارہ لکیریں اور ایک نقطہ
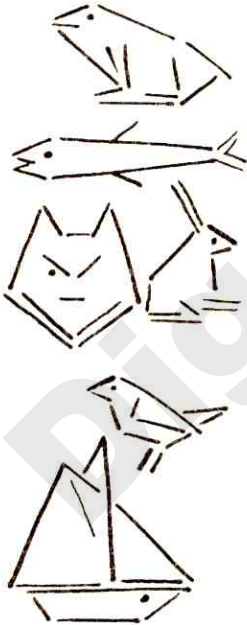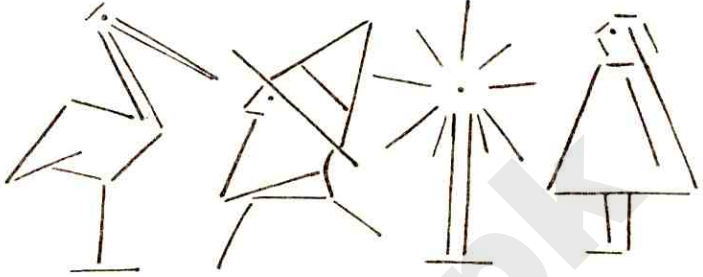
دیکھیے اس صفحے پر بہت سی جانی پہچانی چیزیں نظر آ رہی ہیں۔ ایک لڑکی، ایک موم بتی، ایک پادری، ایک سارس، ایک مینڈک، ایک مچھلی، ایک خرگوش، ایک بلی، ایک چڑیا اور ایک جہاز۔ یہ شکلیں بظاہر بہت سیدھی سادی معلوم ہوتی ہیں، لیکن ان سب میں ایک خاص بات ہے، جس کا علم ذرا غور کرنے پر ہوتا ہے۔ یعنی یہ تمام شکلیں بارہ لکیروں اور ایک نقطے کی مدد سے بنائی گئی ہیں۔ لکیریں چھوٹی، بڑی اور آڑی ترچھی ہیں، لیکن سب سیدھی ہیں۔ ان کی تعداد کم زیادہ بھی ہو سکتی ہے اور زیادہ دل چسپ چیزیں بھی بن سکتی ہیں۔ کوشش کیجیے۔ سب آپ کی تعریف کریں گے۔ ☆

نونہالوں کے لیے دلچسپ اور مفید کتابیں

عربی زبان کے دس سبق

مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کا وضع کیا ہوا صرف دس اسباق میں عربی زبان سکھانے کا نہایت آسان طریقہ۔ اس کے علاوہ رسالہ ہمدرد نونہال میں شائع کردہ عربی زبان سکھانے کے سلسلے کا مجموعہ ''**عربی زبان سیکھو**'' بھی اس کتاب میں شامل ہے۔

صفحات : ۹۶ —— قیمت : ۷۵ رُپے

جوہر قابل

مولانا محمد علی جوہر کی زندگی کے ولولہ انگیز حالات و واقعات جنھیں مسعود احمد برکاتی نے سہل، سلیس اور دل نشین انداز میں لکھا ہے۔ تیسرا ایڈیشن اضافوں کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ سرورق پُرکشش۔

صفحات : ۶۴ —— قیمت : ۴۵ رُپے

ایڈیسن کا بچپن

بجلی کا بلب ایجاد کر کے پوری دنیا کو روشن کرنے والے سائنس داں کے بچپن کی کہانی۔ اس نے اور بھی سیکڑوں ایجادیں کیں۔ اس کتاب کی مؤلفہ گوہر تاج نے ایڈیسن کی جدو جہد اور جستجو کے سبق آموز اور حوصلہ پیدا کرنے والے سچے واقعات بیان کیے ہیں۔

صفحات : ۲۴ —— قیمت : ۲۵ رُپے

ننھا سراغ رساں
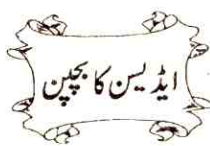
ننھے سراغ رساں کی عقل مندی، جنگی قیدیوں کا سرنگ بنا کر فرار، شیر کے پیٹ میں چھپے جواہر کا کھوج، ڈاکا ڈالنے کے لیے ہوائی جہاز کا اغوا اور دوسری زوردار کہانیوں نے کتاب کو بہت دل چسپ بنا دیا ہے۔ اچھے مشہور ادیبوں کی کہانیاں پڑھ کر لطف اُٹھائیں۔

صفحات : ۸۰ —— قیمت : ۸۰ رُپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی۔ ۷۴۶۰۰

آیئے مصوری سیکھیں

غزالہ امام

یقیناً یہ ایک دل چسپ بات ہے کہ انڈوں کے چھلکوں سے بہت اچھی تصویریں بن سکتی ہیں۔ جتنے رنگ بنانے ہیں، اتنے ہی انڈے لیں۔ ان کو احتیاط سے دھولیں۔ پھر ان میں سے سفیدی اور زردی نکال کر چھلکوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں، ان کو مختلف رنگ دیں۔ آپ نے تصویر کا خاکہ بنایا ہے، ان میں یہ رنگا رنگ ٹکڑے گوند سے چپکا دیں۔ بس بہت خوب صورت تصویریں تیار ہیں۔ ☆

آدمی (بھکاری سے): ''کل تک تو تم پُل پر کھڑے بھیک مانتے تھے، آج اس سڑک پر کھڑے ہو!''

بھکاری: ''میرے بیٹے کی شادی ہوگئی ہے، اس لیے میں نے وہ منافع بخش جگہ اپنے بیٹے کو دے دی ہے۔''

لطیفہ : نادیہ اقبال، کراچی

خاموش احسان

جدون ادیب

وہ بارہ سو مربع گز پر پھیلی ہوئی قدیم حویلی تھی۔ قاسم کے دادا نے اس حویلی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک حصے میں قاسم اپنے امی ابو کے ساتھ رہتا تھا اور دوسرے حصے میں قاسم کے چچا اپنے خاندان کے ساتھ رہتے تھے۔

ان دنوں دادا جان کچھ پریشان رہنے لگے تھے۔ وہ اپنے دونوں بیٹوں کو بلا کر گھنٹوں ان کے ساتھ بات چیت کرتے رہتے تھے۔ معاملہ کیا تھا، کسی کو اندازہ نہیں تھا، مگر بات جو بھی تھی، پریشانی والی تھی۔ گھر کے دونوں حصوں میں پریشانی اور تناؤ کی سی کیفیت تھی۔ قاسم اس ساری صورتِ حال میں زیادہ پریشان ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ معاملے کو سمجھنا اور حل کرنا چاہتا تھا، مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

ایک دن قاسم کے ابو اور چچا اپنے ساتھ ایک آدمی کو دادا جان کے پاس لائے۔ قاسم ایک سُتون کی آڑ لے کر اندر دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بات چیت کے بعد دادا جان نے نوٹوں کی ایک گڈی مہمان آدمی کے حوالے کی۔ میز پر ایک فائل پڑی ہوئی تھی اور خلافِ توقع آج دادا، چچا اور قاسم کے ابو خوش نظر آ رہے تھے۔ دادا نے اپنا بریف کیس منگوایا اور اس شخص کے سامنے ہی وہ فائل اس میں رکھ دی۔

قاسم سمجھ گیا کہ دادا جان کی پریشانی کا تعلق اس فائل سے تھا۔ قاسم نے سوچا، وہ فائل کا مطالعہ کرے گا، تاکہ اس اُلجھن سے باہر آ سکے۔ اس رات دادا جان کا موڈ بہت خوش گوار تھا۔ وہ اپنی جوانی کے قصے سنا رہے تھے اور بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ قاسم ان کی باتیں دل چسپی سے سن رہا تھا۔ پھر وہ واش روم جانے کے لیے اُٹھے تو قاسم نے ان کا بریف کیس کھول کر فائل نکال لی۔ وہ ابھی فائل کھول بھی نہ پایا تھا کہ کمرے کے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اس نے فوراً فائل کو اپنی شرٹ کے اندر ڈال لیا۔ کمرے میں داخل ہونے والی امی تھیں، جنھوں نے دودھ کا گلاس میز پر رکھا اور قاسم کو سونے کے لیے کہہ کر باہر لے گئیں۔ قاسم نے امی کو اپنے کمرے میں جاتے دیکھا تو تیزی سے دوبارہ دادا جان کے کمرے کی طرف بڑھا، مگر اس وقت تک وہ دروازہ بند کر چکے تھے۔

قاسم بُری طرح پھنس چکا تھا۔ وہ فائل جس کے ملنے پر گھر میں خوشیاں لَوٹ آئیں تھیں، اس کے سامنے تھی۔ اس نے فائل کھول کر دیکھی۔ فائل میں اس حویلی کی ملکیت کے کاغذات تھے۔ قاسم نے سوچا کہ اگر رات کسی وقت دادا جان نے بریف کیس کھول لیا تو فائل نہ پا کر ان کا ردِّعمل یقیناً بہت شدید ہوگا۔

دادا جان برسوں سے تہجد کی نماز پڑھتے آ رہے تھے۔ وہ رات تین بجے اُٹھ کر ان
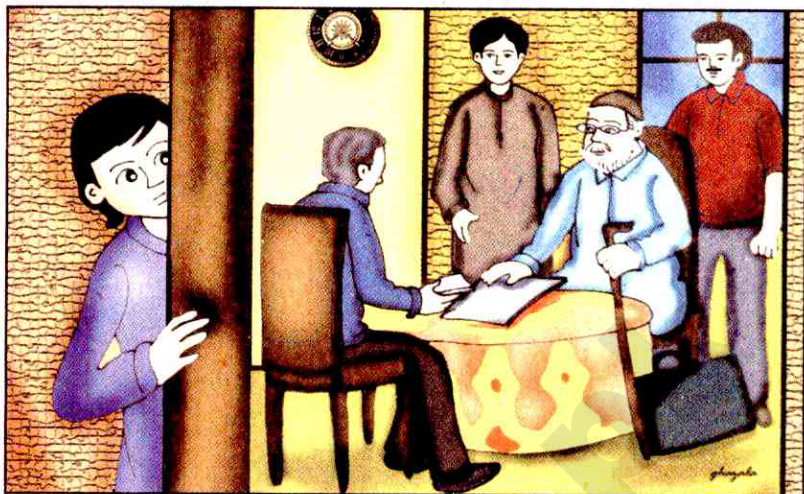
میں آ کر نماز پڑھتے تھے۔ قاسم نے سوچا کہ یہی مناسب وقت ہے، جب دادا جان نماز پڑھ رہے ہوں گے اور سب سو رہے ہوں گے تو وہ فائل کو دوبارہ بریف کیس میں رکھ دے گا۔ اس نے تین بجے کا الارم لگایا اور بہت کوشش کے باوجود جلدی نہ سو سکا۔

الارم کی آواز پر قاسم کی آنکھ کھلی تو وہ غُنودگی کے زیرِ اثر کئی منٹ تک، اُٹھ کر بھی بیٹھا رہا، پھر اچانک ہڑ بڑا کر اُٹھا۔ اس نے فائل اُٹھائی اور آہستہ سے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ دادا جان کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی۔ قاسم نے راہ داری سے دیکھا۔ وہ لان میں نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ تیزی سے دادا جان کے کمرے کی طرف بڑھا۔ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک نقاب پوش ہاتھ میں بریف کیس لیے باہر آیا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں ایک پستول تھا۔ قاسم کا تو اسے دیکھ کر سانس ہی رک گیا۔ نقاب پوش بھی بُری طرح چونکا، پھر اس نے پستول کا رخ قاسم کی طرف کیا تو قاسم دیوار سے جا لگا۔

دادا جان نماز ختم کر چکے تھے اور حسبِ معمول بلند آواز سے وظیفہ پڑھ رہے تھے۔
دادا جان کی آواز سن کر نقاب پوش گھبرا گیا اور اس نے بیرونی دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ تیزی سے دادا جان کے پاس سے گزرا تو انھوں نے اسے دیکھ لیا۔ اس وقت قاسم کے حواس ٹھکانے آ چکے تھے۔ وہ بھی شور مچاتا ہوا نقاب پوش کے پیچھے بھاگا، مگر اس دوران وہ دروازہ کھول کر باہر نکل چکا تھا۔ قاسم اور دادا جان دروازے پر پہنچے تو وہ کار میں بیٹھ کر فرار ہو رہا تھا۔ وہ دونوں چوکیدار کے کمرے میں پہنچے تو اسے خون میں لت پت پایا۔ قاسم نے فوراً پولیس اور ایمبولینس کو بلایا۔ دادا جان چور کو اپنا بریف کیس لے جاتے دیکھ چکے تھے، اس لیے ان کی حالت غیر ہونے لگی۔

اس سارے شور شرابے میں تمام گھر والے جاگ گئے۔ چچا بھی گھبرا کر چلے آئے۔ تھوڑی دیر میں پولیس اور ایمبولینس بھی آ گئی۔ زخمی چوکیدار کو اسپتال منتقل کر دیا گیا اور دادا جان کی طبیعت خراب ہونے پر ڈاکٹر کو گھر پر ہی بلا لیا گیا۔ اس دوران فجر کی اذان ہوگئی۔ ڈاکٹر نے دادا جان کی طبیعت تسلی بخش قرار دی، مگر ساتھ ہی انھیں ہر قسم کے صدمے سے بچانے کی ہدایت کی۔ پولیس نے رپورٹ درج کر کے تفتیش شروع کر دی۔ تب اس راز سے پردہ اُٹھا، جس کی وجہ سے قاسم اُلجھن کا شکار تھا۔

دادا جان نے بتایا کہ بہت عرصے پہلے انھوں نے یہ پلاٹ دس لاکھ میں خرید کر گھر بنوایا تھا۔ انھوں نے ساڑھے نو لاکھ ادا کر دیے اور صرف پچاس ہزار روپے روکے، تاکہ کسی قسم کے بجلی گیس کے بلوں کا مسئلہ نہ ہو، پھر انھیں مکان کے کاغذات کی فائل لینا یاد نہ رہی۔ پلاٹ کے پرانے مالکان بھی گھر بیچ کر کہیں اور چلے گئے۔

اتفاق سے کاغذات کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی اور نہ کسی کا دھیان اس طرف گیا۔ پھر دادا جان نے فیصلہ کیا کہ حویلی کو اپنے دونوں بیٹوں کے نام کر دیں تو پتا چلا کہ اصل فائل موجود نہیں ہے۔

دادا جان کے حکم پر پُرانے مالکوں کی تلاش شروع ہوئی اور آخر وہ مل گئے۔ دادا جان نے انھیں بقایا رقم دے کر فائل حاصل کر لی، مگر پھر وہ چور یہ فائل لے اُڑا۔

قاسم یہ جان کر حیران اور خوش ہوا کہ اس کی ایک غلطی سے ایک بڑا نقصان ہونے سے بچ گیا تھا۔ وہ سب کے جانے کا انتظار کرنے لگا۔ جب سب چلے گئے تو اس نے وہ فائل دادا جان کے سامنے رکھ دی اور شرمندہ لہجے میں انھیں ساری بات بتادی۔ دادا جان کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی اور وہ ہشاش بشّاش نظر آنے لگے۔ اب انھوں نے نوسر باز گروہ کے خلاف کھل کر کارروائی کرانے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے پولیس کو بلا کر بیان لکھوایا۔ بعد میں انکشاف ہوا کہ وہ نوسر باز قبضہ کرنے کے لیے حویلی کی نگرانی کر رہے تھے۔ پلاٹ کے پرانے مالک کا بیٹا فائل دے کر واپس جا رہا تھا تو انھوں نے اسے گھیر لیا۔ رقم بھی چھین لی، پھر اپنے ٹھکانے پر لے گئے اور مار پیٹ کر پوچھ لیا کہ فائل کہاں رکھا ہے، لیکن وہاں سے خالی بریف کیس ہی ان کو ملا۔

پولیس نے بروقت کارروائی کر کے نوسر بازوں کے پورے گروہ کو گرفتار کر لیا۔

سارے معاملات درست ہوتے چلے گئے، مگر قاسم اپنی جگہ سہما ہوا تھا کہ یہ بات امی ابو کو پتا چلی تو اُن کا اس پر سے اعتبار اُٹھ جائے گا اور ابو تو ڈانٹیں گے بھی، مگر دادا جان نے اس کا بھرم برقرار رکھا اور کسی کو نہ بتایا کہ فائل کیسے بچ گئی تھی۔

دادا جان کے نزدیک یہ قاسم کا ان پر خاموش احسان تھا اور اس کی قیمت، رازداری تھی، جو انھوں نے ادا کر دی تھی۔ ☆

حمدِ باری تعالیٰ

مرسلہ : راجا ثاقب محمود، پنڈ دادن خان

اے بادشاہوں کے بادشاہ تیری بادشاہی عظیم ہے
تُو جمیل ہے تُو خلیل ہے تُو رحیم ہے تُو کریم ہے
تیری بخششوں کے طفیل ہمیں ملیں دین و دنیا کی نعمتیں
میری مشکلوں میں کام آئیں تیری برکتیں تیری رحمتیں
میں جو ظلمتوں میں گھرا کبھی تیرے ذکر سے ملی روشنی
تیری بندگی نے عطا کیا مجھے اک سلیقۂ زندگی
مجھے تیری عطاؤں کی آس ہے تجھے میری دعاؤں کا پاس ہے
تیری بخششوں کی یہ انتہا ہے جو ماورائے قیاس ہے
نہیں اس کا کوئی بدل یہاں جو سکوں ملا تیرے پیار میں
بڑا شادماں ہوں کہ آ گیا تیری رحمتوں کے حصار میں

کتاب بہترین دوست ہے

قمر ناز دہلوی، کراچی

دنیا میں جہاں بہت سی خوشیاں ہیں وہیں دکھ بھی ہیں۔ انسان، انسان کے ہاتھوں رسوا اور ذلیل ہوتا ہے۔ یہاں مطلب پرست اور خود غرض دوست بھی ہوتے ہیں اور دشمن بھی، مگر اس دنیا میں ایک ایسا بھی دوست ہے جو نہ مطلب پرست ہے اور نہ کسی کا دل دکھاتا ہے۔ وہ دوست ''کتاب'' ہے۔

اچھی کتاب اس دوست کی طرح ہے جو آڑے وقت میں اپنے دوست کی مدد کرتا ہے اور اسے صحیح راستہ دکھاتا ہے۔ اچھی کتاب اس

شفیق استاد کی طرح ہے جو اپنے شاگردوں کو پیار اور محبت سے کوئی اچھی بات سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ ہر انسان کتاب پڑھنے کے بعد اس کا اثر قبول کرتا ہے۔ وہ لوگ جنھیں اچھی کتاب اور اچھی تربیت ملی ان لوگوں کی کام یاب زندگیاں ہمارے سامنے ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح، علامہ اقبال، مولانا محمد علی جوہر، سر سید احمد خاں اور دوسرے بڑے لوگوں نے اچھی کتابوں سے ہی رہنمائی حاصل کی تھی۔ کتاب چاہے نصابی ہی کیوں نہ ہو، پڑھنے والوں کو بہترین تفریح بھی فراہم کرتی ہے۔ وہ کتاب جو دیکھنے میں بے جان نظر آتی ہے اپنے اندر محبت، سچائی اور نیکی کا سمندر محفوظ کیے ہوتی ہے۔ آپ بھی کتابیں پڑھیے، مطالعہ کیجیے اور ان سے بھرپور فائدہ اُٹھایئے۔

کھودا پہاڑ نکلا چوہا

ہانیہ صدیقی، کراچی

جنگل میں امن و امان کا دور دورہ تھا۔ مشکل وقت میں سارے جانور ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔ ایک دن ایک خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی کہ بی فاختہ اپنے گھونسلے میں مردہ پائی گئی ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی سارے جنگل میں کھلبلی مچ گئی۔ اگلے دن سارے جانور شیر بادشاہ کی عدالت میں جمع ہوئے۔ بلی خالہ کو کٹہرے میں کھڑا کر دیا گیا اور ان پر بی فاختہ کے وکیل مور میاں کی طرف سے سوالات کی بوچھاڑ کر دی گئی۔

بی فاختہ کے وکیل نے کہا: ''بلی خالہ ہی بی فاختہ کی قاتل ہیں، کیوں کہ میں نے اکثر انھیں بی فاختہ کے گھونسلے کے نیچے ٹہلتے دیکھا ہے۔''

پھر کوئل کو گواہ کے طور پر کٹہرے میں بلایا گیا۔ کوئل صاحبہ نے چہک کر کہا: ''جس دن یہ قتل ہوا، میں بھالو کاکا کی دکان سے شہد لینے گئی تھی۔ میں نے بی فاختہ کو لیٹے ہوئے پایا۔ میں سمجھی کہ وہ تھکن کی باعث آرام کر رہی ہیں،

WWW.PAKSOCIETY.COM

لیکن واپسی پر میں نے بی فاختہ کے بارے میں یہ خبر سنی کہ وہ خالقِ حقیقی سے جا ملی ہیں۔''

اتنا کہتے ہی کوئل صاحبہ رو پڑیں۔

لومڑی، بلی کی وکیل تھی۔ اپنے مؤکل کی صفائی میں اس نے اُلّو کو بطور گواہ پیش کرنے کی درخواست کی۔ اسے کٹہرے میں بلا کر سوالات شروع کیے گئے۔ مور نے پوچھا: ''اُلّو میاں! کیا آپ قتل کی رات بی فاختہ کے پڑوسی درخت پر بیٹھے تھے اور آپ نے یہ قتل ہوتے دیکھا تھا اور کیا آپ اس حادثے کے چشم دید گواہ ہیں؟''

اُلّو کے پسینے چھوٹ گئے۔ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا: ''نہیں میں نے اپنی آنکھوں سے کچھ بھی نہیں دیکھا، مجھے کچھ نہیں معلوم۔''

لومڑی نے اُلّو پر زور دیا کہ وہ سب کو سچ سچ بتا کر قانون کی مدد کرے۔

اُلّو نے کہا: ''اس رات میں نے قاتل کو دیکھا تھا اور میں بتا سکتا ہوں کہ وہ کون ہے۔''

لومڑی نے کہا: ''تمھیں ڈرنے کی ضرورت نہیں، تم سچ کہو۔''

اُلّو نے بتایا: ''بی فاختہ کا قتل بلی خالہ نے نہیں کیا، بلکہ کالو چوہے نے کیا ہے تا کہ وہ فاختہ کے انڈے چُرا کر کھا سکیں۔''

اتنا سننا تھا کہ کالو چوہا اپنی جگہ سے اُٹھ کر بھاگنے لگا، لیکن اسے شیر کے کارندے چیتے نے پکڑ لیا۔

شیر نے کہا: ''تمام ثبوت اور گواہوں کو سننے کے بعد عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ کالو چوہے نے ہی بی فاختہ کا قتل کیا ہے، کالو چوہے کو پانچ سال قیدِ بامشقت سنائی جاتی ہے، اُلّو میاں کو سچ چھپانے کے جرم میں جرمانہ ادا کرنا ہوگا، جب کہ بلی خالہ، بی فاختہ کے قتل کے الزام سے باعزت بَری کی جاتی ہیں۔ عدالت برخاست ہوتی ہے۔

پاکستان ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک

محمد اسامہ انصاری، حیدر آباد

برصغیر پاک و ہند پر تقریباً ایک صدی تک مسلمان مغل حکمرانوں نے حکومت کی۔

برصغیر پر آخری مغل حکمراں بہادر شاہ ظفر تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد انگریز ہندستان پر قابض ہو گئے تو مسلمانوں کا اقتدار کم زور ہو گیا اور وہ مایوسی و بدنظمی کا شکار ہو گئے۔ ایسے میں سر سید وہ عظیم رہنما تھے، جنھوں نے ان میں حوصلے کی روح بیدار کی اور ان میں تعلیم حاصل کرنے کا شعور پیدا کیا۔ دو قومی نظریہ کی بنیاد بھی سر سید احمد خاں نے رکھی۔

۱۸۸۵ء میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے حقوق کے لیے ایک مشترکہ جماعت کانگریس بنائی گئی۔ اس جماعت کا مقصد دونوں کے حقوق کا تحفظ کرنا تھا، مگر یہ ہندو جماعت بن کر اُبھری۔ مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں مسلمانوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی۔ اس کے صدر آغا خان سوئم مقرر ہوئے۔

قائداعظم نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان سمجھوتا کروانے کے لیے کچھ تجاویز پیش کیں، لیکن اس سمجھوتے میں مسلمانوں کی تجویز کو رد کر دیا گیا، جس کی وجہ سے قائداعظم نے ۱۹۲۹ء میں اپنے مطالبات پیش کر دیے جو ''قائداعظم کے چودہ نکات'' کے نام سے مشہور ہیں۔

قائد اعظم کی طرح علامہ اقبال بھی ہندستان کو آزاد دیکھنا چاہتے تھے۔ اسی مقصد کے لیے انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں کو بیدار کیا۔

دسمبر ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں الٰہ آباد میں علامہ اقبال نے فرمایا: ''میری خواہش ہے کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ پنجاب، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک علاحدہ مملکت بنا دی جائے۔ ہندستان کے شمال مغرب میں مسلمانوں کی متحدہ مملکت کم از کم شمال و مغرب ہند میں مجھے مسلمانوں کی قسمت کا آخری فیصلہ نظر آتا ہے۔''

علامہ اقبال کے اس خطبے نے مسلمانوں

میں جوش و ولولہ پیدا کیا اور مسلمانوں نے آزاد وطن کے حصول کے لیے جدوجہد اور تیز کردی۔

برطانوی حکومت نے ۱۹۳۵ء میں ایک ایسا قانون نافذ کیا، جو ہندوؤں کے مفاد میں تھا۔ ہندوؤں نے اس قانون سے فائدہ اُٹھا کر مسلمانوں کے ساتھ ایسی بربریت کا مظاہرہ کیا کہ اگر ہم صرف اس کا تصور ہی کریں تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

مارچ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لاہور کے منٹو پارک میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت قائداعظم نے کی۔ قائداعظم نے اپنی تقریر میں دو قومی نظریہ کو واضح طور پر بیان کیا۔ قائداعظم کی تقریر کے اگلے روز یعنی ۲۳ مارچ کو بنگال کے وزیرِ اعلا مولوی فضل الحق نے وہ قرار داد پیش کی جو ''قراردادِ پاکستان'' کے نام سے مشہور ہوئی۔

قرار دادِ پاکستان کے سات سال بعد ماؤنٹ بیٹن نے ۳ جون ۱۹۴۷ء کو وہ اہم نکات پیش کیے، جن کی بدولت ہم نے ایک آزاد وطن حاصل کیا۔ پاکستان ۱۴-اگست ۱۹۴۷ء کو رمضان المبارک کی ۲۷ ویں شب کو وجود میں آیا۔ قائداعظم اس کے پہلے گورنر جنرل اور لیاقت علی خاں اس کے پہلے وزیرِ اعظم تھے۔

نئے قائم شدہ پاکستان کو ابھی شدید مسائل و مشکلات درپیش تھیں، مگر ان تمام مشکلات پر قابو پانے کے لیے قوم نے جس جوش و جذبے سے کام لیا وہ ہماری تاریخ کا ایک بہترین اور روشن باب ہے۔

دھوکے باز سوداگر

سائرہ نازش، سانگھڑ

کسی ملک میں ایک نیک دل بادشاہ روزانہ بھیس بدل کر شہر میں گشت کیا کرتا تھا۔ جب وہ کسی کو مصیبت میں گرفتار دیکھتا یا کسی پر ظلم ہوتے دیکھتا تو وہ دوسرے دن اسے دربار میں بلا کر انصاف کیا کرتا تھا۔ بادشاہ کو جب کسی تاجر کی اپنے ملک میں آمد کا پتا چلتا تو وہ بھیس بدل کر اس سوداگر سے ملتا۔ اسے پرکھتا

کہ یہ سوداگر سچا اور ایمان دار ہے یا بے ایمان، پھر اسے اچھی طرح پرکھ کر اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دیتا۔ اچھے تاجر کو عزت و احترام دیتا اور بُرے تاجر کو بے عزت کر کے ملک بدر کر دیتا تھا۔

ایک دفعہ بادشاہ کو پتا چلا کہ ایک سوداگر کچھ سامانِ تجارت لے کر شہر کی طرف آ رہا ہے۔ بادشاہ نے ایک بوڑھے آدمی کا بھیس بدلا اور سوداگر سے ملنے کے لیے چل پڑا۔ وہ سوداگر بڑا لالچی اور بے ایمان تھا۔ پیسے کی خاطر دھوکے بازی کو جائز سمجھتا تھا۔ سوداگر کے ساتھ بہت سے ملازم بھی تھے۔ وہ سفر کرتا ہوا شہر سے پچیس کوس دور جنگل میں پہنچا تو رات ہو گئی۔ اس نے اپنے ملازم کو حکم دیا کہ یہیں خیمے لگا دو۔ رات آرام سے بسر کرو۔ صبح کے وقت شہر میں داخل ہوں گے۔

سوداگر اپنے خیمے میں لیٹا شہر پہنچ کر سامان فروخت کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا کہ اس کے خاص ملازم نے آ کر اطلاع دی: ''ایک بوڑھا آپ سے ملنا چاہتا ہے۔''

سوداگر اُٹھا اور باہر آ کر دیکھا تو ایک ضعیف آدمی میلے کچیلے کپڑے پہنے کھڑا ہے بوڑھے نے سلام کر کے کہا: ''میں نے سنا ہے کہ آپ بہت بڑے تاجر ہیں۔ کیا آپ مجھ سے کچھ خریدیں گے۔''

''کیا بیچنا چاہتے ہو؟'' سوداگر نے دل چسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

بوڑھے نے دھیمے لہجے میں کہا: ''میرے پاس ایک قیمتی ہیرا ہے، اگر آپ خیمے میں چلیں تو آپ کو دکھاتا ہوں۔''

سوداگر بوڑھے کو لے کر خیمے میں آ گیا۔ بوڑھے نے اپنی جیب سے ہیرا نکال کر ہتھیلی پر رکھ دیا۔ ہیرے کی چمک دمک دیکھ کر تاجر کی آنکھیں چُندھیا گئیں، لیکن اس نے مکاری سے کام لیتے ہوئے کہا: ''مجھے اسے پرکھ تو لینے دو، بوڑھے نے وہ ہیرا سوداگر کے ہاتھ میں

تھما دیا، ہیرے کی چمک دمک دیکھ کر اس کے دل میں لالچ آ گیا اور ہیرے کو اُلٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد سوداگر نے کہا: ''یہ تو نقلی ہیرا ہے۔''

یہ سنتے ہی بوڑھے نے جھپٹ کر وہ ہیرا سوداگر سے چھین لیا اور کہنے لگا: ''تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہ ہیرا نقلی ہے یہ تو بادشاہ نے میرے باپ کو انعام میں دیا تھا۔''

''کسی نے بھی دیا ہو بہر حال یہ ہیرا نقلی ہے۔'' سوداگر نے زور سے کہا۔ سوداگر کا جواب سننے کے بعد بوڑھا افسردہ ہو گیا اور مدھم سی آواز میں کہنے لگا: ''مجھے رپوں کی سخت ضرورت ہے تم کسی بھی قیمت پر یہ ہیرا خرید لو۔''

''بھئی میں اس نقلی ہیرے کا کیا کروں گا۔'' سوداگر نے مکاری سے جواب دیا۔

''تم تو سوداگر ہو کسی کے ہاتھ بیچ دینا۔'' بوڑھے نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

سوداگر تو چاہتا یہی تھا۔ اس نے پانچ اشرفیاں دے کر اس پر احسان جتاتے ہوئے کہا: ''یہ اتنے کا مال نہیں، لیکن میں تمھاری ضعیفی پر ترس کھا کر کچھ زیادہ ہی دے رہا ہوں۔''

اشرفیاں لے کر بوڑھا چلا گیا تو سوداگر دل ہی دل میں خوش ہوا کہ اس نے ایک قیمتی ہیرا کوڑیوں کے مول خرید لیا ہے۔ اگلی صبح سوداگر نے قافلے کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔ دوپہر کے قریب قافلہ شہر پہنچ گیا۔ بادشاہ کے حکم سے بازار ایک میدان میں لگا کرتا تھا اور بادشاہ خود بھی اس میدان میں خرید و فروخت کے لیے جاتا تھا۔ میدان میں جگہ جگہ خیمے لگے ہوئے تھے۔ سوداگر نے بھی ایک جگہ خیمہ لگایا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک طرف سے شور و غل سا بلند ہوا۔ معلوم کرنے پر پتا چلا کہ بادشاہ سلامت تشریف لا رہے ہیں۔ بادشاہ سلامت آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اسی سوداگر کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔ سوداگر کی دکان میں وہ ہیرا ابھی چمک رہا تھا جسے سوداگر نے دھوکا دے کر سستے داموں میں خرید اتھا۔

بادشاہ نے پوچھا: ''یہ ہیرا اصلی ہے یا نقلی؟''

سوداگر نے چونک کر بادشاہ کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اسے بادشاہ کا چہرہ جانا پہچانا معلوم ہوا۔ غور کرنے پر سوداگر نے بادشاہ کو پہچان لیا۔ اب تو وہ لرز گیا۔ بادشاہ وہی بوڑھا تھا جس سے سوداگر نے دھوکا دے کر ہیرا ہتھیا لیا تھا۔ بادشاہ نے سوداگر کی حالت دیکھ کر قہقہہ لگایا اور سخت لہجے میں بولا: ''میں وہی رات والا بوڑھا ہوں اور اب تم مجھے بادشاہ کے روپ میں دیکھ رہے ہو۔ یہی میرا اصل روپ ہے۔ میرے ملک میں جب کوئی نیا آدمی آتا ہے تو میں اس کو آزما کر اس کا امتحان لیتا ہوں اور اگر تاجر جھوٹا ہے تو میں اس کے ساتھ جو سلوک کرتا ہوں، وہ تو تم اب دیکھ لو گے۔'' اتنا کہہ کر بادشاہ نے اپنے سپاہیوں کو اشارہ کیا کہ اس دھوکے باز سوداگر کو گرفتار کر لو۔ بادشاہ نے اس کا سب مال و اسباب ضبط کر کے جیل کی تاریک کوٹھری میں بھیج دیا۔ اس طرح سوداگر کو اپنی بے ایمانی کی سزا مل گئی۔

ہوائی جہاز کی پہلی پرواز

صبا عبدالستار شیخ، شکارپور

انسان کا فضا میں اُڑنے کا خواب تو بہت پرانا ہے، مگر ہوائی جہاز کا قصہ پرانا نہیں ہوا۔ سب سے پہلا ہوا باز ایک مسلمان ''ابن القرناس'' تھا جس نے اپنے جسم کے ساتھ مصنوعی پَر باندھ کر فضا میں اُڑنے کا تجربہ کیا تھا۔

ہوائی جہاز کی ایجاد کا سہرا دو امریکی بھائیوں ''رائٹ برادران'' کے سر ہے۔ ولبر رائٹ ۱۸۶۷ء اور ول برائٹ ۱۸۷۱ء میں ایک پادری کے گھر پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۳ء میں دونوں بھائیوں نے رائٹ برادرس کے نام سے سائیکل مرمت اور کرائے پر چلانے کی ایک چھوٹی سی دکان کھولی۔ بعد ازاں ایک جرمن انجینئر کے بارے میں انھیں معلوم ہوا، جس نے گلائیڈر پر تجربات کیے تھے۔ ان دونوں بھائیوں کو بھی پرواز سے دل چسپی تھی

اور ہوابازی کے بارے میں علم اور تجربات کا بھی جنون کی حد تک شوق تھا۔ مختلف تجربات کے بعد آخر انھوں نے ایک ایسا نظام تیار کیا جس کے ذریعے سے ہوا کا دباؤ مشین کے مختلف حصوں پر بدلتا رہتا ہے۔

انھوں نے پیٹرول کا ایک بارہ ہارس پاور کا انجن تیار کیا، جس کا وزن ۱۵۲ پاؤنڈ تھا اور دہرے پَروں والا ایک جہاز تیار کیا۔ ۱۷- دسمبر ۱۹۰۳ء کی صبح ۱۰ بج کر ۳۵ منٹ پر امریکی ریاست نارتھ کیرولینا میں انھوں نے جہاز اُڑانے کا پہلا تجربہ کیا۔ دنیا کے اس پہلے جہاز کا نام ''فلائر ون'' تھا۔ اس میں چار سلینڈر نصب تھے۔ پیٹرول سے چلنے والا بارہ ہارس پاور کا ایک انجن بھی اس میں نصب تھا۔

ہوائی جہاز نے ۲۷ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بارہ سیکنڈ کی پرواز کی اور ۱۲۰ فیٹ کا فاصلہ طے کیا۔ جہاز ۱۲ فیٹ کی بلندی پر محو پرواز رہا۔ اس دن مزید تین پروازیں اور بھی ہوئیں جن میں سب سے کام یاب پرواز ولبر رائٹ کی تھی، جو کہ ۵۹ سیکنڈ تک تھی۔ اگلے دن صرف مقامی اخبار نے خبر شائع کی۔ وہ بھی اس طرح کہ کسی کو یقین نہ آیا۔

برطانیہ کے صرف ایک ایک اخبار ڈیلی میل نے بیسویں صدی کی اس اہم ترین خبر کو اشاعت کے قابل سمجھا۔

گفتگو کے آداب

عائشہ ذوالفقار علی، کراچی

انسان کی شخصیت کی پہچان اس کی گفتگو سے ہوتی ہے۔ انسان کو بولنے کی قوت عطا کی گئی ہے، گویا اسے بہت بڑی نعمت سے نوازا گیا ہے، مگر ساتھ ہی بھاری ذمے داری بھی عائد کی گئی ہے کہ وہ دوسروں سے کس طرح گفتگو کرتے ہیں۔ اپنی گفتگو سے وہ دوسروں کی دل جوئی

کرتے ہیں یا دل آزاری۔

الفاظ سے ہی ہماری شخصیت و کردار، تعلیم اور ذہنی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بعض خوب صورت اور خوش لباس لوگوں سے بات کر کے بہت افسوس ہوتا ہے۔ جب وہ بات کرتے ہیں تو بناوٹ، ریاکاری اور بے پروائی سے بات کرتے ہیں۔

صاف گوئی کا شمار ویسے تو بہترین وصف میں ہوتا ہے، لیکن اس کا تصور اکثر لوگوں کے ذہنوں میں واضح نہیں۔ عموماً لوگ دوسروں کی خامیوں اور کم زوریوں کا ذکر انھی کے منھ پر کرنے کو صاف گوئی سمجھتے ہیں۔ آپ نے اکثر لوگوں کے منھ سے یہ جملے سنے ہوں گے: ''کھانا اچھا نہیں تھا، بھئی میں نے تو صاف کہہ دیا۔ یا یہ جملہ ''بڑا افسوس ہوا، تم ایک مضمون میں رہ گئے، کوئی بات نہیں، ہمت نہ ہارو، ویسے مجھ سمیت میرے خاندان میں آج تک کوئی فیل نہیں ہوا۔''

لوگوں کے سامنے شیخیاں مارنے، بناوٹی باتیں کرنے اور خود کو نمایاں کرنے کی کوشش لوگوں کو احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیتی ہے۔ یہی باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ ان میں پڑھنے لکھنے کے باوجود سمجھ داری پیدا نہیں ہوئی۔

یاد رکھیے! اچھی اور میٹھی بات بھی صدقہ ہے۔ کم بولیے، مگر اچھا بولیے۔ اپنی زبان کو اپنی عقل کے پیچھے رکھیے۔ ایک مشہور کہاوت ہے: ''دانا آدمی بولنے سے پہلے سوچتا ہے، جب کہ ایک جاہل شخص بات کرنے کے بعد سوچتا ہے۔''

اسی لیے سوچ سمجھ کر ہمیشہ ایسی بات کرنی چاہیے، جس سے کسی کی دل آزاری نہ ہو، کیوں کہ تلوار سے لگائے گئے زخم بھر جاتے ہیں، مگر زبان سے لگائے ہوئے زخم کبھی نہیں بھرتے۔ ☆

ہنسی گھر
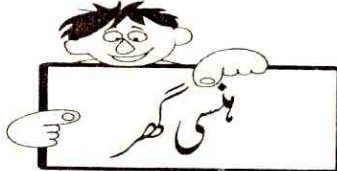
ایک افیمی دوسرے سے: ''تم نماز کے بعد دعا مانگنے کے لیے مسجد کے مینار پر کیوں چڑھ جاتے ہو؟''

دوسرے نے جواب دیا: ''میں چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے میری دعا اللہ میاں تک پہنچے۔''

مرسلہ : محمد بلال حیدر، شمالی کراچی

میاں بیوی آپس میں لڑ رہے تھے۔ بیوی نے کہا: ''میری شرافت دیکھو کہ تمھیں دیکھے بغیر تم جیسے نکھٹو سے شادی کرلی۔''

شوہر: ''اور میری ہمت دیکھو کہ تم جیسی بد دماغ کو دیکھ کر بھی تم ہی سے شادی کرلی۔''

مرسلہ : عائشہ فرازیہ، عزیز آباد

ایک پاگل نے دوسرے سے کہا: ''لوگ ہمیں پاگل کیوں کہتے ہیں۔''

دوسرے نے جواب دیا: ''تم لوگوں کی فکر نہ کرو، یہ لو لیموں، لسی بناؤ۔''

مرسلہ : اُمیمہ ریان، نارتھ کراچی

ایک شخص عمارت کی چوتھی منزل پر کمرے میں پہنچا اور اندر داخل ہو کر سامنے بیٹھے ہوئے شخص سے کہا: ''ڈاکٹر صاحب! مجھے دمے کی شکایت ہے۔ سانس پھول جاتا ہے۔ تھوڑے سے کام سے دل دَھک دَھک کرنے لگتا ہے۔''

کمرے میں بیٹھے ہوئے شخص نے کہا: ''ورزش کیجیے اور اچھی سی عینک لگوا لیجیے۔ ڈاکٹر کا کلینک نچلی منزل پر ہے، میں وکیل ہوں۔''

مرسلہ : مہک اکرم، لیاقت آباد

باپ نے بیٹے سے کہا: ''ہر شخص صفائی پسند کرتا ہے۔''

بیٹا: ''لیکن امی کو صفائی بالکل پسند نہیں۔''

باپ: ''وہ کیسے؟''

بیٹا: ''آج میں نے الماری میں رکھا ہوا حلوا صاف کیا تو امی نے میری پٹائی کر ڈالی۔''

مرسلہ : عمیر مجید، ٹوبہ ٹیک سنگھ

ایک دفعہ ایک بے وقوف آدمی ڈاکٹر کے پاس گیا اور کہا: ''مجھے سونے سے پہلے نیند نہیں آتی، دھوپ میں گرمی لگتی ہے اور کھانے کے بعد بھوک نہیں لگتی۔''

ڈاکٹر نے اُسے دوا دیتے ہوئے کہا: ''یہ لو دوا، اسے ہر مہینے کی ۳۲ تاریخ کو سونے کے بعد اور جاگنے سے پہلے کھا لینا۔''

مرسلہ : سعد سہیل، جہلم

ایک بچہ دوڑتا ہوا گھر آیا اور ماں سے بولا: ''امی ہمارے پڑوسی کتنے غریب ہیں، ان کے بچے نے صرف ایک رپے کا سکہ نگلا ہے، لیکن وہ سب رو رہے ہیں۔''

مرسلہ : ابوبکر سلطان بنگش، حیدر آباد

ایک شخص کو اتفاق سے ایک بڑا سرکاری عہدہ مل گیا۔ پرانے دوست احباب مبارک باد دینے آئے تو اس نے پہچاننے سے انکار کر دیا۔ ایک مہمان سے اس نے پوچھا: ''کس لیے آئے ہو؟''

مہمان نے جواب دیا: ''تعزیت کے لیے آیا ہوں۔ سنا ہے آپ اندھے ہو گئے ہیں؟''

مرسلہ : وقار الحسن، حویلی لکھا

استاد: ''اگر میں تمھارے ابو کو پچاس رپے دوں اور دس رپے واپس لے لوں تو مجھے بعد میں کتنے پیسے اور ملیں گے؟''

احمد: ''کچھ بھی نہیں۔''

استاد: ''تم ریاضی نہیں جانتے؟''

احمد: ''آپ میرے ابو کو نہیں جانتے۔''

مرسلہ : ہمایوں طارق، ملتان

باپ بیٹے سے: ''کیا تمھارے استاد پڑھے لکھے ہیں؟''

بیٹا: ''پتا نہیں، کل جب میں نے ان سے I DON,T KNOW کا مطلب پوچھا تو انھوں نے کہا کہ میں نہیں جانتا۔''

مرسلہ : زین خان، سرگودھا

دفتر کے منیجر نے ملازمت کے امیدوار سے پوچھا: ''آپ کا تجربہ کتنا ہے؟''

امیدوار: ''جناب! پانچ سال۔''

منیجر: ''خوب، پہلے کہاں کام کرتے تھے۔''

امیدوار: ''کہیں بھی نہیں۔''

منیجر: ''تو پھر یہ پانچ سالہ تجربہ کس چیز کا ہے؟''

امیدوار: ''درخواستیں اور انٹرویو دینے کا۔''

مرسلہ : قمرناز دہلوی، کراچی

😊 استاد شاگرد سے: ''لفظ روشنی کو جملے میں استعمال کرو۔''

شاگرد: ''کمرے میں اندھیرا ہے۔''

استاد: ''اس میں روشنی کا لفظ تو استعمال نہیں ہوا۔''

شاگرد: ''جناب! لائٹ گئی ہوئی ہے۔''

مرسلہ : طہورا عدنان، کراچی

😊 ایک آدمی کے پاس رات تین بجے ایک فون آیا کہ تمھاری فیکٹری میں آگ لگ گئی ہے۔ وہ بھاگتا ہوا انڈسٹریل ایریا گیا اور بہت غصے میں واپس آیا۔

بیوی نے پوچھا: ''کیا ہوا اتنے غصے میں کیوں ہو؟''

آدمی نے کہا: ''تھوڑی دیر پہلے فون آیا تھا کہ میری فیکٹری میں آگ لگ گئی ہے۔ بعد میں یاد آیا کہ میری تو سبزی کی دکان ہے۔''

مرسلہ : علینہ وسیم، کراچی

😊 منے کی آٹھویں سال گرہ کے موقع پر ماموں نے اسے ایک خوب صورت گھڑی تحفے میں دی۔ ایک روز امی نے منے سے پوچھا: ''تمھاری گھڑی میں کیا بجا ہے؟''

منے نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کو دیکھتے ہوئے کہا: ''پونے چار۔''

امی نے تعجب سے کہا: ''لیکن تمھارے ہاتھ پر بھی تو گھڑی موجود ہے پھر دیوار کی گھڑی دیکھنے کی ضرورت تھی؟''

منے نے سنجیدگی سے کہا: ''واہ میں اپنی نئ گھڑی کیوں استعمال کروں؟''

مرسلہ : حفصہ محمد طاہر قریشی، نواب شاہ

😊 استاد شاگرد سے: ''بھائی چارے کا جملہ بنائیں۔''

شاگرد: ''جب دودھ والے سے کہا کہ تم دودھ اتنا منہگا کیوں بیچتے ہو تو وہ بولا: ''کیا کریں بھائی، چارے کے دام جو بڑھ گئے ہیں۔''

مرسلہ : کرن فدا حسین کیریو، کراچی

مزارِ قائد

نسرین شاہین

قائد اعظم محمد علی جناح کی وفات ۱۱- ستمبر ۱۹۴۸ء کو ہوئی اور پاکستانی قوم بانیِ پاکستان سے محروم ہوگئی۔ قائد اعظم کے انتقال کے فوراً بعد پاکستان کے پہلے وزیر اعظم خان لیاقت علی خاں نے کراچی انتظامیہ کے سربراہ سید ہاشم رضا کو ہدایت کی کہ کراچی میں کوئی ایسی مناسب جگہ تلاش کی جائے، جہاں قائد اعظم کا مزار بنایا جا سکے۔

قائد اعظم کے مزار کے لیے جس تیس ایکڑ رقبے کا انتخاب کیا گیا، وہ کراچی شہر کے وسط میں واقع ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ حکومت میں مزار کی حدود میں اکہتّر ایکڑ رقبے کا اضافہ کیا گیا۔

ستمبر ۱۹۴۸ء سے فروری ۱۹۶۰ء تک قائد اعظم کی قبر ایک شامیانے کے سائے میں رہی۔ مزار کے لیے کئی نمونے قائد اعظم میموریل کمیٹی کے سامنے پیش کیے گئے اور بہترین ڈیزائن پر ایک بڑی رقم انعام میں رکھی گئی۔

محترمہ فاطمہ جناح نے ماہرِ تعمیر یحییٰ مرچنٹ کا تیار کردہ ڈیزائن پسند فرمایا۔ ۸ فروری ۱۹۶۰ء کو صدر ایوب خاں نے مزار کا سنگِ بنیاد رکھا اور ۳۱ جولائی ۱۹۶۰ء سے مزار کی باقاعدہ تعمیر شروع ہوگئی۔ مزار کی تعمیر کے پہلے مرحلے میں ڈھائی سو فیٹ وسیع چبوترا تعمیر کیا گیا۔ اس چبوترے کے نیچے ایک تہ خانہ ہے، جس میں اصل قبر محفوظ ہے۔ تہ خانہ ۱۴- فیٹ بلند ہے۔ مزار کی بنیاد میں پاکستان کے سکے، ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کی قرار داد پاکستان کی دستاویزات اور قائد اعظم کی مختصر سوانح عمری محفوظ ہیں۔ چبوترے کی تعمیر کے بعد اصل گنبد کی تعمیر شروع ہوئی۔

مزارِ قائد کا گنبد سطحِ زمین سے ۱۲۰- فیٹ بلند ہے۔ قائد اعظم کے مزار پر ایک تختی لگی ہوئی ہے، جس پر قرآنی آیات کندہ ہیں۔ مزار کے اطراف میں بڑے بڑے شیشوں اور تانبے کی
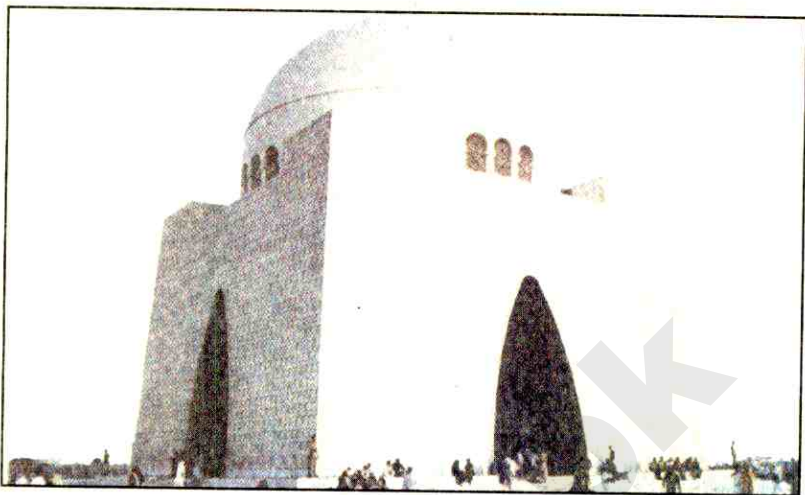
خوب صورت جالیوں سے چار بڑے دروازے بنائے گئے ہیں اور چار چھوٹے دروازے زینے کے ذریعے تہ خانے یعنی قائداعظم کے اصل مزار تک جاتے ہیں اور یہی زینہ اوپر تک جاتا ہے۔

قائداعظم کے مزار میں ضلع مردان کا خاص سنگِ مرمر لگایا گیا ہے۔ مزار کے مرکزی ہال میں تعویز کے اطراف ٹھوس چاندی کا تیرہ فیٹ لمبا اور دس فیٹ چوڑا خوب صورت اور قیمتی کٹہرا نصب ہے، جس کا وزن تقریباً اٹھارہ ہزار تولہ ہے اور جس کی قیمت اُس وقت کے حساب سے تقریباً دو لاکھ پچیس ہزار روپے تھی۔

مزار کے مرکزی ہال میں ایک نہایت عمدہ اور خوب صورت فانوس لگایا گیا ہے۔ یہ عمدہ فانوس ۲۹ فروری ۱۹۷۰ء کو پاکستان کے دوست ملک چین نے خاص طور پر قائداعظم کے مزار کے لیے بنوا کر بطور تحفہ دیا تھا۔ اس خوب صورت فانوس کی لمبائی تقریباً پندرہ فیٹ اور وزن کئی ٹن ہے۔ یہ فانوس اپنی خوب صورتی میں جواب نہیں رکھتا۔ جب اسے روشن کیا جاتا ہے تو اس کی جھلملاتی روشنی بڑی ہی دلفریب معلوم ہوتی ہے۔

مزار کے اندر کی تعمیر ۵ جنوری ۱۹۷۱ء کو مکمل ہوئی اور ۱۵ جنوری ۱۹۷۱ء کو صدر پاکستان یحییٰ خان نے مزار کا افتتاح کیا۔ مزارِ قائد کے پلیٹ فارم کی لمبائی ۳۰۰ فیٹ اور چوڑائی ۲۷۵ فیٹ ہے۔ مزارِ قائد سطح زمین سے ۱۱۴- فیٹ بلند ہونے کی وجہ سے شہر کے بیشتر مقامات سے نظر آتا ہے اور کراچی کا نہایت دل کش، دلفریب اور خوب صورت منظر پیش کرتا ہے۔

مزارِ قائد کا پورا علاقہ چھے ہزار چھے سو فیٹ طویل چار دیواری پر مشتمل ہے۔ اس چار دیواری پر خوب صورت لوہے کی جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ اس کے دو صدر دروازے ہیں۔ ایک صدر دروازہ غیر ممالک کے سربراہانِ مملکت اور سرکاری حکام کی آمد پر کھلتا ہے۔ صدر دروازے سے ایک طویل سڑک مزار تک جاتی ہے۔ سڑک کے دائیں بائیں پھولوں کے علاوہ ہری بھری گھاس کے دو بڑے قطعات ہیں۔ دوسرا صدر دروازہ جو کہ شاہراہِ قائدین پر واقع ہے، ہر وقت عوام کے لیے کھلا رہتا ہے۔

صدر دروازے اور طویل سیڑھیوں کے درمیان پندرہ پانی کے حوض اور تیس فوارے ہیں۔ ہر حوض ۳۱ فیٹ چوڑا اور ۵۱ فیٹ لمبا ہے اور ہر حوض میں دو دو خوب صورت چار فیٹ اونچے فوارے لگے ہوئے ہیں۔ حوضوں کے درمیان گھاس کے دو بڑے قطعات ہیں اور اس کے دائیں بائیں چھوٹی لائنیں اور ۶۰ بڑے سایہ دار درخت ہیں۔

مزارِ قائد کے چاروں طرف سبزہ زار، پھول پودوں اور بے شمار درختوں کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ مزار کی تعمیر میں مجموعی طور پر لاگت تقریباً ایک کروڑ ۶۰ لاکھ روپے آئی۔

مزارِ قائد کی مشرقی سمت ایک بڑے ہال میں شہیدِ ملت لیاقت علی خاں، سردار عبدالرب نشتر، محترمہ فاطمہ جناح، بیگم رعنا لیاقت علی خاں، اور نورالامین کی قبریں ہیں۔ شمالی سمت میں ''ایوانِ نوادراتِ قائداعظم'' ہے، جس میں قائداعظم سے متعلق اور ان کے زیرِ استعمال چیزیں محفوظ ہیں، جو دیکھنے کے قابل ہیں۔ ☆

تصویر خانہ
محمد اعظم اشرف، حیدر آباد
اعتزاز عباسی، کراچی
بلال غوری، نئی کراچی
مقدس غوری، نئی کراچی
ماہین منیر، لانڈھی
یارش ناظم علی، کراچی
بلال مجید، ٹوبہ ٹیک سنگھ
عمیر مجید، ٹوبہ ٹیک سنگھ
شکیل مجید، ٹوبہ ٹیک سنگھ

نونہال مصور
سمعیہ وسیم، سکھر
عشرت فاطمہ، سرگودھا
رافعہ خالد، کراچی
علینہ وسیم، کراچی
نوشابہ گل اعوان، شکار پور
عبہر کامران، اورنگی ٹاؤن
عرشیہ نوید، کراچی

عائشہ الہ دین، حیدر آباد

اسریٰ خان، کراچی

احتشام، ولیج میاں ڈھری

خنسا امتیاز، راولپنڈی

امامہ عالم، کراچی

نادیہ اقبال، کراچی

مشعل نایاب، قیوم آباد

ثانیہ خان، حیدر آباد

ہاتھی بیتی

جاوید اقبال

گولڈی نے اپنے دور جاتے ہوئے ساتھیوں کو دیکھا اور ہمت ہار کے وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اب وہ بوڑھا ہو گیا ہے۔ اس کے گروہ کے ساتھی خوراک کی تلاش میں دور جاتے ہوئے اسے نظر آ رہے تھے۔

گولڈی محکمۂ جنگلات کا سدھایا ہوا ہاتھی تھا۔ لکڑی حاصل کرنے کے لیے بڑے بڑے درختوں کو کاٹ کر ان کے تنے دریا میں بہا دیے جاتے۔ ایک خاص مقام پر انھیں روکا جاتا اور پھر سدھائے ہوئے ہاتھی یہ تنے اپنی سونڈ میں اُٹھا کر ایک مخصوص جگہ

پہنچاتے۔ گولڈی برسوں سے یہ کام کر رہا تھا۔ اس کی زندگی بس یہی تھی۔ کام میں جُتے رہنا، خوب کھانا اور تھک کر سو جانا۔ اس کی زندی یونہی گزر رہی تھی کہ اچانک ایک دن سخت گرمی سے اس کا دماغ پلٹ گیا اور اس پر وحشت سوار ہوگئی۔ اس نے تین آدمیوں کو اپنے بھاری پاؤں کے نیچے کُچلا، دو کو سونڈ میں لپیٹ کر پٹخا اور جنگل کی طرف بھاگ نکلا۔

مگر جنگل کی زندگی بھی کہاں آسان تھی۔ قدم قدم پہ سر پھرے اور ضدی ہاتھیوں سے اسے واسطہ پڑا تھا۔ یہاں وہ کئی ہاتھیوں سے پٹا، کیوں کہ ہاتھیوں کے کسی بھی گروہ کا سردار اپنے گروہ میں کسی اجنبی ہاتھی کو کبھی برداشت نہیں کرتا۔ اس لڑائی میں اس کی کھال حریف ہاتھیوں کے نوکیلے دانتوں سے جگہ جگہ سے کٹ گئی۔ ایک دانت کی نوک ٹوٹ گئی۔ ایک پاؤں کا ناخن اُکھڑ گیا اور گردن پہ گہرا زخم لگا، مگر گولڈی بھی ایسا سر پھرا تھا کہ پھر کسی نہ کسی سے لڑ جاتا۔ یونہی لڑتے لڑتے اس نے سردار ہاتھی پر قابو پا لیا۔ ایک طویل اور سخت لڑائی کے بعد سردار ہاتھی زخمی ہو کر بھاگ نکلا۔ یوں گولڈی ہاتھیوں کے اس گروہ کا سردار بن گیا۔

سالہا سال وہ ایک سپاہ سالار کی طرح اپنے گروہ کی کمان کرتا رہا۔ حریف گروہوں سے لڑتا رہا، مگر آج اس کے ساتھی اسے اکیلا چھوڑ کر آگے بڑھ گئے تھے۔ انھیں پتا چل گیا تھا کہ ان کا سردار بوڑھا ہو گیا ہے۔ اب انھیں ایک ایسے سردار کا انتخاب کرنا تھا، جو طاقت ور اور جوان ہو۔

سردار کی جگہ خالی دیکھ کر ایک طاقت ور ہاتھی آگے بڑھا اور دوسرے ہاتھیوں کو للکارا کہ ہے کوئی مقابلہ کرنے والا۔ ایک دو ہاتھیوں نے اپنی طاقت کو آزمانا چاہا،

مگر پٹ کر بھاگ نکلے اور وہ ہاتھی ایک فخر کے ساتھ میدان میں کھڑا رہا۔ ہاتھیوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور سر جھکائے نئے سردار کے پیچھے چلنے لگے۔

اِدھر گولڈی کو پتا چل گیا کہ اس کا آخری وقت آن پہنچا ہے۔ اب اسے اپنے گروہ سے اور اس جنگل سے دور کسی ویرانے میں اپنی موت کا انتظار کرنا ہوگا۔

ہاتھیوں کی زندگی میں ہمیشہ سے ایسا ہوتا آیا تھا۔ جو بھی ہاتھی بوڑھا ہو جاتا اور اپنے جوان ساتھیوں کا ساتھ نہ دے پاتا، وہ دور دراز ویرانے میں جا کر پناہ لیتا اور وہاں اپنی موت کا انتظار کرتا ہے۔ پھر بڑے بڑے گدھ اور مردار خور نوچ نوچ کر اس کا گوشت کھا جاتے اور اس کی ہڈیاں ویرانے میں پڑی رہ جاتیں۔ گولڈی کے باپ دادا پر بھی یہ وقت آیا تھا۔ انھیں بھی اپنے گروہ سے جدا ہونا پڑا تھا اور اب گولڈی کی باری تھی۔

گولڈی نے ہرے بھرے جنگل پر ایک اُداس نگاہ ڈالی اور آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ نامعلوم منزل کی طرف چل پڑا۔ دریاؤں، میدانوں، ندی نالوں سے گزرتا، گرتا پڑتا وہ چلتا چلا گیا اور آخر ایک بہت بڑے میدان میں جا پہنچا۔ جہاں ہر طرف مرے ہوئے ہاتھیوں کی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ پتّوں سے محروم ٹُنڈ مُنڈ درختوں پر بڑے بڑے گِدھ اپنی منحوس آنکھوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ گولڈی نے دل میں کہا، بس منزل آ گئی۔ اس کے قدموں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ اپنے اگلے پاؤں اور سُونڈ کے بَل گرتا چلا گیا اور گدھ بے صبری سے اپنے شکار پر ٹوٹ پڑے۔

☆☆☆

بیت بازی

حالی کا یہ نکتہ ہے ہمیں یاد برابر
ہیں علم و عمل دونوں کے اعداد برابر

شاعر: مولانا الطاف حسین حالی پسند: کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

سخاوتوں کے ہی دم سے ہے تازگی کا بھرم
ثمر نہ دیں تو یقیناً شجر پرانے ہیں

شاعر: محشر بدایونی پسند: عرشیہ نوید، کراچی

زیست کرنے کا ہنر آخر مجھے بھی آتا ہے
ایک چہرہ اپنی خاطر، اک زمانے کے لیے

شاعر: فراست رضوی پسند: علی احمد، جعفر آباد

میری قسمت کا ستارہ اوج پر آجائے گا
جب مجھے چہرہ بدلنے کا ہنر آجائے گا

شاعر: نعیم الرحمان جوہر پسند: محمد علی، رحیم یار خان

اس ایک چہرے میں آباد تھے کئی چہرے
اس ایک شخص میں کس کس کو دیکھتا تھا میں

شاعر: سلیم احمد پسند: علی حیدر لاشاری، لاکھڑا

ہم کبھی خود سے جو بچ کر نکلے
ہر طرف آئینہ رکھا دیکھا

شاعر: احمد ہمدانی پسند: شائلہ ذیشان، ملیر

مجھ کو آتا ہی نہیں سچ کے سوا کچھ کہنا
میں جہاں والوں کو بہلاؤں، ضرورت کیا ہے

شاعرہ: فاطمہ تاج پسند: رافع اکرم، لیاقت آباد

دریچے تو سب کھل چکے ہیں، مگر
دھواں ہے کہ گھر سے نکلتا نہیں

شاعر: رئیس فروغ پسند: عاقب خاں جدون، ایبٹ آباد

غیروں کی کیا بات کریں، جب
اپنوں ہی سے ڈر لگتا ہے

شاعر: جمال نقوی پسند: پارس احمد خاں، کراچی

وہی منصفوں کی روایتیں، وہی فیصلوں کی عبارتیں
مرا جرم تو کوئی اور تھا، پر مری سزا کوئی اور ہے

شاعر: سلیم کوثر پسند: شائم عمران، نارتھ کراچی

اس سے پہلے کہ جفاؤں پہ کریں ہم تنقید
دیکھنا یہ ہے کہ اربابِ وفا ہیں کتنے

شاعر: روشن نگینوی پسند: سید باذل علی ہاشمی، کورنگی

رہِ حیات پہ حادثہ تو ہونا تھا
کسی مقام پہ اس کو جدا تو ہونا تھا

شاعر: اختر لکھنوی پسند: محمد بلال حیدر، کراچی

اک خوف سا درختوں پہ طاری تھا رات بھر
پتے لرز رہے تھے ہوا کے بغیر بھی

شاعر: فصیل جعفری پسند: جبار عادل، لاہور

چلو دشت کا منظر بھی دیکھ لیں نجمی
سنا ہے، آج وہاں رقص ہے بگولوں کا

شاعر: نجمی نگینوی پسند: عائشہ اقبال، عزیز آباد

انعامی سلسلہ ۲۲۵

معلومات افزا

سلیم فرخی

معلومات افزا کے سلسلے میں حسبِ معمول ۱۶ سوالات دیے جا رہے ہیں۔ سوالوں کے سامنے تین جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک صحیح ہے۔ کم سے کم گیارہ صحیح جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے گیارہ سے زیادہ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ۱۶ جوابات صحیح دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ گیارہ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ جوابات صحیح دیں اور انعام میں ایک اچھی سی کتاب حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸- ستمبر ۲۰۱۴ء تک ہمیں مل جائیں۔ جوابات کے کاغذ پر بھی اپنا نام پتا بہت صاف لکھیں۔ ادارہ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے .... عیسوی میں وفات پائی تھی۔ (۶۳۰ء ۔ ۶۳۲ء ۔ ۶۳۴ء)

۲۔ میدانِ عرفات میں واقع .... میں ۹ ذی الحج کو خطبہ حج پڑھا جاتا ہے۔ (مسجد قبا۔ مسجد نمرہ۔ مسجد جن)

۳۔ خاندانِ بنو اُمیہ نے کل .... سال حکمرانی کی۔ (۸۹ سال ۔ ۹۱ سال ۔ ۹۳ سال)

۴۔ فاتح ملک شام حضرت .... کو کہا جاتا ہے۔ (خالد بن ولید ۔ طارق بن زیاد ۔ محمد بن قاسم)

۵۔ سرسید احمد خاں کا انتقال ۲۷ مارچ .... کو ہوا تھا۔ (۱۸۵۷ء ۔ ۱۸۸۰ء ۔ ۱۸۹۸ء)

۶۔ افریقی ملک کانگو کی کرنسی .... کہلاتی ہے۔ (پیسو ۔ فرانک ۔ یورو)

۷۔ وارسا، ملک .... کا دارالحکومت ہے۔ (پولینڈ ۔ فن لینڈ ۔ آئس لینڈ)

۸۔ خفیہ ایجنسی .... کا تعلق روس سے ہے۔ (کے جی بی ۔ سی آئی اے ۔ موساد)

۹۔ اپنے پہلے ٹیسٹ میچ میں سنچری بنانے والے پاکستان کے سب سے کم عمر کھلاڑی .... ہیں۔
(ظہیر عباس ۔ جاوید میاں داد ۔ عمران خان)

۱۰۔ اقوامِ متحدہ کے موجودہ سیکریٹری جنرل .... ہیں۔ (برائن کورٹ ۔ ایرک ہولڈر ۔ بان کی مون)

۱۱۔ .... کا پرانا نام ''نجد و حجاز'' ہے۔ (بحرین ۔ کویت ۔ سعودی عرب)

۱۲۔ برازیل میں ہونے والا بیسواں فٹ بال ورلڈ کپ ۲۰۱۴ء .... نے جیت لیا۔ (برازیل ۔ جرمنی ۔ اٹلی)

۱۳۔ ''شوکت علی خاں'' معروف شاعر .... کا اصل نام ہے۔ (فانی بدایونی ۔ قابل اجمیری ۔ صفی لکھنوی)

۱۴۔ ۱۷۱۳ء میں وفات پانے والے اردو کے مزاحیہ شاعر کا نام .... ہے۔

۱۵۔ (سلام مچھلی ۔ گستاخ رامپوری ۔ جعفر زٹلی)

۱۶۔ اردو زبان کا ایک محاورہ: سانپ کا کاٹا .... سے ڈرتا ہے۔ (پانی ۔ لاٹھی ۔ رسی)

اردو کے مشہور شاعر سلیم احمد کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

شاید کوئی بندۂ خدا آئے — صحرا میں .... دے رہا ہوں (آواز ۔ اذان ۔ صدا)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۲۵ (ستمبر ۲۰۱۴ء)

نام: ....

پتا: ....

....

....

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔ستمبر ۲۰۱۴ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (ستمبر ۲۰۱۴ء)

عنوان: ....

نام: ....

پتا: ....

....

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸ -ستمبر ۲۰۱۴ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکائیے۔

دورِ خلافت کے چیف جسٹس

حضرت عمرؓ بن خطاب نے اپنے عہدِ خلافت میں کسی شخص سے ایک گھوڑا خریدا، اس شرط پر کہ پسند آ گیا تو رکھ لیں گے، ورنہ واپس کر دیں گے۔ گھوڑا ایک سوار کو دیا تو گھوڑا سواری کے دوران چوٹ کھا کر لنگڑا ہو گیا۔ اب حضرت عمرؓ گھوڑا واپس کرنا چاہتے ہیں، مگر مالک لینے سے انکار کر دیتا ہے۔ دونوں نے شریح بن حارث کو ثالث مقرر کیا۔ شریح نے حضرت عمرؓ سے کہا: ''جو گھوڑا خریدا ہے، اُسے رکھو، یا جس حالت میں لیا تھا، اسی حالت میں واپس کرو۔'' حضرت عمرؓ صرف فیصلہ ہی تسلیم نہیں کرتے، بلکہ شریح کو کوفہ کا جج بھی مقرر کر دیتے ہیں کہ ایسا فقہ کا ماہر اور بے خوف انسان، ایسے ہی بلند پایہ منصب کا اہل ہو سکتا ہے۔

قاضی شریح نے اپنی ذمے داریاں اتنی خوبی، قابلیت اور دیانت کے ساتھ انجام دیں کہ اُموی خلیفہ عبدالمالک کے زمانے تک مسلسل ساٹھ برس اس اہم منصب پر فائز رہے۔ اسلام کی تاریخ میں اُن کا ذکر قاضی القضاۃ یعنی سب سے بڑے قاضی (چیف جسٹس) کے طور پر ہوتا ہے۔ ان کے بعض فیصلوں پر تو اسلام کی تاریخِ عدل ناز کر سکتی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ کے دورِ خلافت میں دارالخلافہ مدینے سے کوفے منتقل ہو گیا تھا۔ قاضی شریح اسلامی مملکت کے چیف جسٹس ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ اور ایک یہودی کا جھگڑا ان کی عدالت میں پیش ہوا۔ امیر المومنین کی زِرہ کہیں گر پڑی

تھی اور اس یہودی کے ہاتھ لگ گئی۔ امیر المومنین کو پتا چلتا ہے تو اس سے زِرہ کا مطالبہ کرتے ہیں، مگر یہودی نے کہا کہ زِرہ میری ہے اور دینے سے انکار کر دیا۔ امیر المومنین نے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ چیف جسٹس شریح نے فریقین کے بیان لیے۔ یہودی نے اپنے بیان میں کہا کہ زِرہ میری ہے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ میرے قبضے میں ہے۔ چیف جسٹس شریح نے امیر المومنین سے اپنے دعوے کے ثبوت میں گواہ پیش کرنے کو کہا۔ انھوں نے گواہ کے طور پر حسنؓ اور قنبرؓ کو پیش کر دیا۔ چیف جسٹس شریح نے کہا کہ قنبرؓ کی شہادت تو قبول کرتا ہوں، لیکن حسنؓ کی شہادت قابلِ قبول نہیں۔

امیر المومنین نے کہا: ''آپ حسنؓ کی شہادت کو مسترد کرتے ہیں! کیا آپ نے رسول اللہؐ کا ارشاد نہیں سنا کہ حسنؓ اور حسینؓ جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔''

چیف جسٹس شریح نے کہا: ''سنا ہے، مگر میرے نزدیک باپ کے حق میں بیٹے کی شہادت معتبر نہیں۔''

دوسرا گواہ نہ ہونے کی وجہ سے امیر المومنین کا دعوا خارج کر دیا گیا۔ امیر المومنین نے نہ تو کوئی آرڈی نینس جاری کیا اور نہ کسی قانون کی پناہ ڈھونڈی، بلکہ اس فیصلے کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

یہودی اس فیصلے سے بے حد متاثر ہوا کہ ایک شخص صاحبِ اقتدار ہونے کے باوجود زِرہ اس سے نہیں چھینتا، بلکہ عدالت کے دروازے پر دستک دیتا ہے اور ایک عام مُدّعی کی حیثیت سے جج کے سامنے جاتا ہے۔ پھر عدالت اس کے ساتھ کوئی امتیازی برتاؤ نہیں کرتی، مدعی اور مدعا علیہ دونوں یکساں حالت میں اس کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔

عدالتی کارروائی میں بھی کوئی خاص اہتمام نہیں ہوتا، روزمرہ کی سی کارروائی ہوتی ہے، جو عدالتی طریقِ کار کے عین مطابق ہے۔ پھر عدالت کا جج امیر المومنین ہی کے خلاف فیصلہ صادر کرتا ہے اور امیر المومنین بے چوں وچرا اس فیصلے کے آگے سر جھکا دیتے ہیں۔ اسلامی عدالت کا بے لوث عدل اور امیر المومنین کا منصفانہ کردار اس کے دل میں کُھب گیا۔ وہ وہیں عدالت میں پکار اُٹھا: ''زِرہ امیر المومنین ہی کی ہے اور جس دین کا ماننے والا قاضی، امیر المومنین کے خلاف فیصلہ دیتا ہے اور امیر المومنین اس فیصلے کو بلا حیل وحجت تسلیم کر لیتے ہیں، وہ دین یقیناً سچا ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ امیر المومنین اس یہودی کے اسلام قبول کر لینے پر اتنے مسرور و شادماں ہوئے کہ بطور یادگار اپنی زِرہ اسے دے دی۔ ☆

نظمیں بھیجنے والے

نظمیں بھیجنے والے نونہال یہ وضاحت کر دیا کریں کہ نظم انھوں نے خود لکھی ہے۔ اگر خود لکھی ہے تو پہلے اپنے استاد یا کسی شاعر کو دکھا کر ضرورت کے مطابق اصلاح و درستی کرا لیں۔

نظم اگر کسی دوسرے شاعر کی ہے تو اس شاعر کا نام ضرور لکھیے۔ اس صورت میں ہم شاعر کے نام کے ساتھ نظم بھیجنے والے نونہال کے نام سے پہلے ''پسند'' کا اضافہ کر دیں گے۔ اگر آپ نظم لکھنے والے شاعر کا نام نہیں لکھیں گے تو نظم شائع نہیں کریں گے۔ ☆

نونہال خبر نامہ

سرمد خالد

دلیہ کھانے والے بچے اچھے طالب علم ثابت ہوتے ہیں

جدید تحقیق سے یہ انکشاف ہوا ہے کہ جو لوگ بچپن میں دلیہ کھاتے ہیں وہ زیادہ اچھے طالب علم ہوتے ہیں اور امتحانات میں بہترین نتائج حاصل کرتے ہیں۔ دلیے میں موجود اجزا خصوصاً اومیگا تھری (OMEGA-3) بچوں کی لکھنے پڑھنے اور ہجے کرنے کی صلاحیت کو بڑھاتا ہے۔ تین سال تک لی جانے والی غذا بچوں کی ذہنی صلاحیتوں کے لیے بے حد اہم ہوتی ہے۔

اینٹیں، گارا اور مٹی کھانے والا انوکھا بھارتی شہری

بھارتی ریاست کرناٹک کا رہنے والا گنڈی نامی ۳۰ سالہ شخص روٹی کے بجائے اینٹیں، گارا اور مٹی شوق سے کھاتا ہے اس کا کہنا ہے کہ اگر اسے بُھنا ہوا مرغ بھی دیا جائے تو وہ مٹی اور اینٹیں کھانے کو ترجیح دے گا۔ لوگوں کے منع کرنے کے باوجود وہ اینٹیں اور مٹی کھانا نہیں چھوڑتا۔ وہ ہر روز اوسطاً تین کلو مٹی اور گارا کھاتا ہے اور گزشتہ بیس سالوں سے ان چیزوں نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔

جوتیاں کھائیں اور مزے اُڑائیں
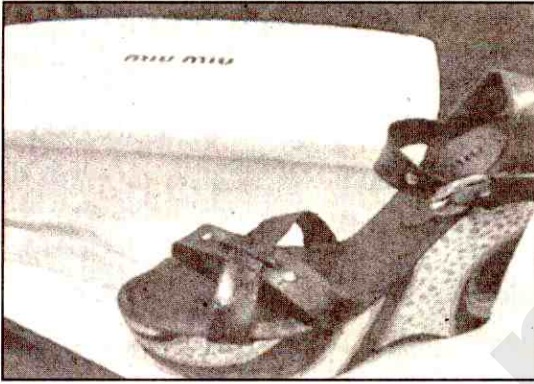
ویسے تو جوتیاں کھانا بہت بُری بات سمجھی جاتی ہے، لیکن جوتیاں اگر کیک سے بنی ہوں تو کون انھیں کھانا نہیں چاہے گا۔ امریکی ریاست کیلی فورنیا میں اب پیش کیے جارہے ہیں جوتیوں جیسے رنگ برنگے اور مزے دار کیک، جنھیں دیکھ کر منھ میں پانی آجائے۔ یہ مزے دار جوتیاں کھانے سے پہلے ہزار بار سوچنا پڑے گا، کیوں کہ ایک جوتی کی قیمت ۳۵۰ ڈالر رکھی گئی ہے۔ یعنی پاکستانی تقریباً بتیس ہزار روپے۔

مٹی اور ریت کھانے کی شوقین امریکی لڑکی

بچے کو بچپن میں مٹی اور ریت میں کھیلنے اور کھانے سے منع کیا جاتا ہے، لیکن لگتا ہے اس ۱۹ سالہ امریکی لڑکی کو اس کی امی نے یہ ضروری ہدایت نہیں دی۔ شاید اسی لیے یہ لڑکی ریت ایسے کھاتی ہے کہ جیسے چاکلیٹ کھا رہی ہو۔ یہ لڑکی کافی بڑی ہو چکی ہے، لیکن اب بھی یہ پارک، پلے گراؤنڈ اور ساحل سے اپنے لیے چن چن کر ریت لاتی اور اسے چپس اور چاکلیٹ کے ساتھ چٹنی کی طرح لگا لگا کر کھاتی ہے۔ ☆

ہنڈ کلیا

سبزیوں کا چائینیز سوپ

مرسلہ : اقصیٰ فاروق، پرانا سکھر

مرغی کی یخنی : دو کپ شملہ مرچ : ایک عدد گاجر : ایک عدد

بند گوبھی (باریک کٹی ہوئی) : ایک کپ ہری مرچ : دو عدد

مٹر : آدھا کپ ہری پیاز : ایک عدد ٹماٹر : ایک کپ

اجینوموتو : ایک چائے کا چمچہ کالی مرچ (پسی ہوئی) : ایک چائے کا چمچہ

سفید مرچ (پسی ہوئی) : آدھا چائے کا چمچہ سویا ساس : ایک کھانے کا چمچہ

چلی ساس : ایک چائے کا چمچہ کارن فلور : آدھا کپ نمک : حسبِ ذائقہ

ترکیب: تمام سبزیوں کو دھو کر کاٹ لیں۔ اب ایک پتیلی میں دو گلاس پانی ڈال کر سبزیاں پکنے دیں۔ پھر دس منٹ بعد مرغی کی یخنی ڈال دیں اور نمک، کالی مرچ، سفید مرچ، سویا ساس، اجینوموتو ڈال کر پانچ منٹ پکائیں۔ پھر آدھا کپ پانی میں کارن فلور گھول کر سوپ میں شامل کریں اور گاڑھا ہونے پر اُتار لیں۔

بادامی وائٹ چکن

مرسلہ : مزمل محمد علی، اوتھل، بلوچستان

مرغی کا گوشت : ایک سے ڈیڑھ کلو بادام : بارہ سے بیس عدد

لہسن (پسا ہوا) : ایک چائے کا چمچہ ادرک (پسی ہوئی) : ایک چائے کا چمچہ

دہی (پھینٹا ہوا) : ایک کپ ہری مرچ : چھے یا آٹھ عدد تیل : آدھا کپ

اُبلے ہوئے انڈے (سجانے کے لیے) نمک : ایک چائے کا چمچہ

ترکیب: تمام مسالا پیس کر مرغی کے گوشت پر لگا دیں اور آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ تیل گرم کریں۔ لہسن فرائی کریں اور پھر مسالا لگی ہوئی مرغی کا گوشت ڈال کر پکائیں۔ جب گوشت گل جائے تو بھون کر دم پر رکھ دیں۔ اُبلے ہوئے انڈوں کے ساتھ سجا کر پیش کریں۔ ☆

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال جولائی ۲۰۱۴ء میں **سمعیہ غفار میمن** صاحبہ کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کر کے تین بہترین عنوانات (**شہزادی آئی شہر میں، ایسا بھی ہوتا ہے، وہ آئے گھر میں ہمارے**) کا انتخاب کیا ہے۔ یہ عنوان ہمیں مختلف جگہوں سے تین نونہالوں نے ارسال کیا ہے۔ ان نونہالوں کو انعام کے طور پر ایک کتاب بھیجی جا رہی ہے۔ تفصیل درجِ ذیل ہے:

پہلا عنوان: شہزادی آئی شہر میں — ۱۔ **سیدہ نایاب بخاری، لاہور**

دوسرا عنوان: ایسا بھی ہوتا ہے — ۲۔ **محمد ہاشم خان، پشاور**

تیسرا عنوان: وہ آئے گھر میں ہمارے — ۳۔ **علیزہ نوید صدیقی، نارتھ کراچی**

چند اور اچھے عنوانات

شہزادی بکری۔ مہمان وبالِ جان۔

بُرے پھنسے۔ انوکھی شہزادی۔ لاڈلی بکری

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

☆ کراچی: مصامص شمشاد غوری، صبا عبدالغنی، محمد اریب الدین، طاہرہ شاہ نواز علی، عائشہ افضل، شمسہ کنول عثمانی، اریبہ امجد رندھاوا، عروبہ وسیم، حمامہ حسن عثمانی، صباحت بلخی، کرن مرسلین، ناعمہ تحریم، رضی اللہ خان، ہما ناز، عبداللہ ناصر، انس نسیم خان، محمد سعد عبدالرشید، فائق سلیم، محمد ثاقب قمر، عبدالرحمٰن قیصر، واجد نگینوی، سیدہ نمرہ مسعود، علیزہ نوید

صدیقی ، صبا انجم ، بسمہ محمد زاہد ، کومل فاطمہ اللہ بخش ، اسما جبیں ، لبنیٰ جبیں ، شاہ بشریٰ عالم ، احمد حسین ، احمد رضا ، احسن محمد اشرف ، محمد عزیر ، معین الدین غوری ، محمد عثمان خان ، محمد علی حسن ، فضل ودود خان ، محمد اویس ، محمد فہد الرحمٰن ، طاہر مقصود ، رضوان ملک ، زہرا شفیق ، محمد اذعان خان ، فاطمہ کمال ، سمیعہ توقیر ، اسماعلی ، زین بلال خان ، سنبل مکی ، تحریم خان ، تسمینہ ادریس ، عفراء عثمانی ، عریشہ حبیب الرحمٰن ، علیزہ سہیل ، مہا نور ، سیدہ عائشہ خلیق الرحمٰن ، نادیہ اقبال ، شازیہ انصاری ، اقرا عبدالرحمٰن ، سید باذل علی اظہر ، سید شہظل علی اظہر ، سیدہ سالکہ محبوب ، سیدہ مریم محبوب ، سیدہ جویریہ جاوید ، سید عفان علی جاوید ، تابندہ آفتاب ، سیدہ اریبہ بتول ، محمد شیراز انصاری ، سندس آسیہ ، فاطمہ مسعود ☆ **حیدر آباد:** سیدہ منزہ ، ملائکہ خان ، آفاق اللہ خان ، صبا سعید ، مقدس جبار ، انوشہ بانو سلیم الدین ، محمد احمد ، ماہ رخ ، فرحان میتھانی ، عائشہ ایمن عبداللہ ☆ **لاہور:** سید شہریار علی ، محمد افضل انصاری ، امتیاز علی ناز ، سیدہ نایاب بخاری ☆ **پنڈ دادن خان:** عائشہ ثاقب راجا ، سیدہ مبین فاطمہ عابدی ☆ **سانگھڑ:** عامر نذیر ، علیزہ ناز منصوری ، اقصیٰ انصاری ☆ **میر پور خاص:** فیضان احمد خان ، زونش منیر ☆ **راولپنڈی:** صبا شہزادی ، محمد حسنات ، خنسہ امتیاز ، محمد ندیم معاویہ ☆ **آزاد کشمیر:** محمد جواد چغتائی ، زرفشاں بابر ☆ **پشاور:** محمد ہاشم خان ، حانیہ شہزاد ☆ **فیصل آباد:** یمناء سلیم ، زینب ناصر ☆ **میانوالی:** حفصہ شفیق ، حافظ محمد ذکوان شفیق ☆ **شہید بے نظیر آباد:** محمد سلیم خانزادہ ، ایمن فاطمہ ظفر اقبال راؤ ☆ **خوشاب:** محمد قمر الزمان ☆ **بہاول پور:** محمد معاذ مصطفوی ☆ **سکھر:** ندیم بھٹی ، سمعیہ وسیم ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** سعدیہ کوثر مغل ☆ **اٹک:** عبیرہ عدیل ☆ **رحیم یار خان:** مریم شاہین ، ماہم فاطمہ ☆ **شیخو پورہ:** محمد احسان الحق ☆ **ایبٹ آباد:**

قرۃ العین ، ایمن نور ☆ **دریا خان:** عبداللہ شاہ ☆ **بھکر:** حائقہ خالد ☆ **کنڈیارو:** محمد عمار نذیر، بہادر علی حیدر بلوچ ☆ **لیہ:** سروش فاطمہ ☆ **ٹنڈوالہیار:** مدثر آصف کھتری ☆ **سکرنڈ:** نمرا ندیم خانزادہ ☆ **کھاریاں:** مشعل احمد، محمد دانیال ☆ **جامشورو:** حافظ مصعب سعید ☆ **لسبیلا:** طوبیٰ احمد صدیقی ☆ **ڈیرہ اللہ یار:** آصف علی کھوسہ ☆ **اوکاڑہ:** عبدالحسیب عابد ☆ **کوٹ ادو:** قرۃ العین ☆ **کالا گجراں:** سیماں کوثر۔

☆

آپ کی تحریر کیوں نہیں چھپتی ؟

اس لیے کہ تحریر: ◆ دل چسپ نہیں تھی ۔ ◆ بامقصد نہیں تھی ۔ ◆ طویل تھی ۔ ◆ صحیح الفاظ میں نہیں تھی ۔ ◆ صاف صاف نہیں لکھی تھی ۔ ◆ پنسل سے لکھی تھی ۔ ◆ ایک سطر چھوڑ کر نہیں لکھی تھی ۔ صفحے کے دونوں طرف لکھی تھی ۔ ◆ نام اور پتا صاف نہیں لکھا تھا ۔ ◆ اصل کے بجائے فوٹو کاپی بھیجی تھی ۔ ◆ نونہالوں کے لیے مناسب نہیں تھی ۔ ◆ پہلے کہیں چھپ چکی تھی ۔ ◆ معلوماتی تحریروں کے بارے میں یہ نہیں لکھا تھا کہ معلومات کہاں سے لی ہیں ۔ ◆ نصابی کتاب سے بھیجی تھی ۔ ◆ چھوٹی چھوٹی کئی چیزیں مثلاً شعر، لطیفہ، اقوال وغیرہ ایک ہی صفحہ پر لکھے تھے ۔

تحریر چھپوانے والے نونہال یاد رکھیں کہ

◆ ہر تحریر کے نیچے نام پتا صاف صاف لکھا ہو ۔ ◆ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر ہرگز نہ لکھیے ۔ ◆ تحریر بھیجنے سے پہلے یہ نہ پوچھیں کہ ''کیا یہ چھپ جائے گی؟'' ◆ مختصر صاف لکھی ہوئی تحریر کے باری جلد آتی ہے ۔ ◆ نظم کسی بڑے سے اصلاح کر کے بھیجیے ۔ ◆ نونہال مصور کے لیے تصویر کم از کم کاپی سائز کے سفید موٹے کاغذ پر گہرے رنگوں میں بنی ہو ۔ ◆ تصویر کے اوپر نام نہ لکھیے بلکہ تصویر کے پیچھے لکھیے ۔ ◆ تصویر خانہ کے لیے بھیجی گئی تصویریں جب ماہرین مسترد کر دیتے ہیں تو وہ ضائع ہو جاتی ہیں ۔ واپس منگوانا چاہتے ہوں تو پتے کے ساتھ جوابی لفافہ ساتھ بھیجیے ۔ ◆ تصویر کے پیچھے بچے کا نام اور جگہ کا نام ضرور لکھیے ۔ ◆ بیت بازی کا ہر شعر الگ کاغذ پر ٹھیک ٹھیک لکھ کر شاعر کا صحیح نام ضرور لکھیے ۔ ◆ ہنسی گھر کے لیے ہر لطیفہ الگ کاغذ پر لکھیے ۔ ◆ لطیفے گھسے پٹے نہ ہوں ۔ ◆ روشن خیالات کے لیے ہر قول الگ کاغذ پر لکھیے ۔ ◆ قول بہت مشکل نہ ہو ۔ ◆ علم دریچے کے لیے جہاں سے بھی کوئی ٹکڑا لیا ہو، اس کا حوالہ اور مصنف کا نام ضرور لکھیے ۔ ◆ تحریر کسی مخصوص فرقے ، طبقے یا ملکی قانون کے خلاف نہ ہو ۔ ◆ طنزیہ اور مزاحیہ مضمون شائستہ ہو، کسی کا مذاق اڑانے یا دل دکھانے والا نہ ہو ۔ ◆ نونہال بلاعنوان کہانی نہ بھیجیں ۔ ◆ تحریر کی نقل اپنے پاس رکھیے تاکہ چھپنے کے بعد ملا کر دیکھ سکیں کہ تحریر میں کیا کیا تبدیلی کی گئی ہے ۔ ◆ اشاعت سے معذرت میں صرف کہانیوں اور مضامین کا ذکر کیا جاتا ہے ۔ ◆ باقی چھوٹی چھوٹی تحریریں ناقابل اشاعت ہونے پر ضائع کر دی جاتی ہیں ۔ ◆ تحریر، تصویر وغیرہ ارسال کرنے کا طریقہ وہی ہے جو خط بھیجنے کا ہے ۔ ◆ کوپن اور کسی بھی تحریر پر صرف ایک نام لکھیے ۔ ◆ اچھی تحریر لکھنے کے لیے زیادہ مطالعہ اور مسلسل محنت بہت ضروری ہے ۔

(ادارہ)

جوابات معلومات افزا - ۲۲۳

سوالات جولائی ۲۰۱۴ء میں شایع ہوئے تھے

جولائی ۲۰۱۴ء میں معلومات افزا-۲۲۳ کے جو سوالات دیے گئے تھے، ان کے جوابات ذیل میں لکھے جا رہے ہیں۔ ۱۶ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کی تعداد ۱۶ ہی تھی، اس لیے ۱۵ کے بجائے ان سب نونہالوں کو انعامی کتاب بھیجی جائے گی۔ باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ حضرت اسحاقؑ کی والدہ محترمہ کا نام حضرت سارہ تھا۔
۲۔ جنگ یرموک سنہ ۱۵ ہجری میں ہوئی تھی۔
۳۔ پاکستان ریڈ کراس سوسائٹی کا نام بدل کر ہلال احمر (RED CRESCENT) رکھا گیا ہے۔
۴۔ راجا غضنفر علی خاں پاکستان کے پہلے وزیرِ صحت تھے۔
۵۔ مشہور کتاب ''گنجے فرشتے'' سعادت حسن منٹو کی تصنیف ہے۔
۶۔ مشہور ناول نگار نسیم حجازی کا اصل نام محمد شریف تھا۔
۷۔ کوئٹہ اور سبی کے درمیان درہ بولان واقع ہے۔
۸۔ پاربتی پور بنگلا دیش کا ایک شہر ہے۔
۹۔ ایرانی سلطنت کا بانی سائرس اعظم تھا۔
۱۰۔ مادھو لال حسین پنجابی زبان کے شاعر تھے۔
۱۱۔ ''SAFFRON'' انگریزی میں زعفران کو کہتے ہیں۔
۱۲۔ رومن ہندسوں میں ایک ہزار کے عدد کو انگریزی کے حرف M سے ظاہر کیا جاتا ہے۔
۱۳۔ ''شر'' کا مطلب ہے ''بدی'' جھگڑا، فساد۔ اس کی جمع شرور ہے۔
۱۴۔ ایک کمرے میں ماں باپ، بیٹا بیٹی، بہن بھائی، شوہر اور بیوی بیٹھے ہیں۔ یہ کل چار افراد ہیں۔
۱۵۔ اردو زبان کا ایک محاورہ یہ بھی ہے: بغل میں چھری منھ میں رام رام۔
۱۶۔ میر تقی میر کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

پھرتے ہیں میر خوار، کوئی پوچھتا نہیں　　اس عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی

۱۶ درست جوابات دینے والے انعام یافتہ نونہال

☆ **کراچی:** عبدالمعز اسلم خان، ارینا آفتاب، تحریم خان، سنعیہ شفیق، عائشہ قیصر، ناعمہ تحریم، اریبہ امجد رندھاوا ☆ **حیدرآباد:** محمد سعد عبدالجبار، ماہ رخ، نسرین فاطمہ، ملائکہ خان ☆ **بے نظیر آباد:** محمد سلیم سعید خانزادہ ☆ **کالا گجراں:** سیماں کوثر ☆ **راولپنڈی:** حفصہ کامران ☆ **اٹک:** عبیر عدیل ☆ **لاہور:** امتیاز علی ناز۔

۱۵ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ **کراچی:** فضل قیوم خان، فلزہ طاہر، کومل فاطمہ اللہ بخش، لائبہ فاطمہ، شاہ محمد، سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ مریم محبوب، سیدہ جویریہ جاوید، سید عفان علی جاوید، سید شہظل علی اظہر، علیزہ سہیل، سید باذل علی اظہر، مشال نوین، سیدہ اریبہ بتول، فاطمہ مسعود، محمد ثاقب قمر، لقمان، تسمینہ ادریس کھتری ☆ **لاہور:** عبدالجبار رومی انصاری ☆ **راولپنڈی:** محمد علی رفیق ☆ **رحیم یار خان:** ماہم فاطمہ ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** سعدیہ کوثر مغل ☆ **سکھر:** زینب فاطمہ ☆ **پشاور:** حانیہ شہزاد، محمد حمدان ☆ **سانگھڑ:** محمد ثاقب منصوری ☆ **شیخو پورہ:** محمد احسان الحق ☆ **کرک:** افشیں زمان ☆ **حیدرآباد:** عائشہ ایمن عبداللہ ☆ **آزاد کشمیر:** شہریار احمد چغتائی۔

۱۴ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ **کراچی:** عکاشہ عثمانی، محمد سعد سلیم، مہا نور، محمد آصف انصاری، شمسہ کنول عثمانی، زرمین راشد، سیدہ نمیرا مسعود ☆ **حیدرآباد:** صبا سعید ☆ **لاہور:** سید شہریار علی ☆ **ٹنڈو الہیار:** مدثر آصف کھتری ☆ **لسبیلہ:** طوبیٰ احمد صدیقی ☆ **اوکاڑہ:** عبدالحسیب عابد ☆ **فیصل آباد:**

سیدہ شہر بانو عبدالرزاق ☆ **رحیم یار خان:** انیلا شاہین ☆ **دریا خان:** عبداللہ شاہ ☆ **خوشاب:** محمد قمر الزماں ☆ **سکرنڈ:** صادقین ندیم خانزادہ ☆ **لیہ:** سروش فاطمہ ☆ **میانوالی:** ش۔م۔دانش ☆ **راولپنڈی:** محمد حسان۔

۱۳ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆ **کراچی:** صمہ احمد حسین، رضی اللہ خان، حمامہ حسن عثمانی، کرن افضل، فضل ودود خان، محمد عزیر، عروج زہرا، طاہرہ شاہ نواز علی، سیدہ عائشہ خلیق الرحمٰن، علیزہ نوید صدیقی ☆ **راولپنڈی:** صبا شہزادی ☆ **پنڈ دادن خان:** پرنس راجا ثاقب محمود جنجوعہ، سیدہ مبین فاطمہ عابدی ☆ **ڈیرہ اللہ یار:** آصف علی کھوسہ ☆ **چکوال:** آمنہ امین انصاری ☆ **خوشاب:** نعیم اللہ ☆ **بہاول نگر:** عفیرہ رانا۔

۱۲ درست جوابات بھیجنے والے پُرامید نونہال

☆ **کراچی:** صدف آسیہ، آمنہ ناصر، عبیرہ صابر، معین الدین غوری، محمد عثمان خان، طاہر مقصود، محمد فہد الرحمٰن، واجد نگینوی، محمد اویس ☆ **لاہور:** حافظ اقرار حمٰن ☆ **فیصل آباد:** زینب ناصر۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے پُراعتماد نونہال

☆ **کراچی:** صبا عبدالغنی، انس نسیم خان، اسما جبین، سنبل مکی، سمیعہ توقیر، احسن محمد اشرف، زین بلال خان، احمد رضا، رضوان ملک ☆ **سانگھڑ:** اقصیٰ انصاری، عائشہ اسلام ☆ **ایبٹ آباد:** جاذب ☆ **جامشورو:** حافظ مصعب سعید ☆ **بہاول پور:** حرا مختار ☆ **حیدرآباد:** انوشہ بانو سلیم الدین۔

☆

آدھی ملاقات

یہ خطوط ہمدرد نونہال شمارہ جولائی ۲۰۱۴ء کے بارے میں ہیں

❁ برکاتی صاحب کو اور دیگر عملے کو ''ہمدرد نونہال'' کا سال نامہ نکالنے پر مبارک باد قبول ہو۔ ایک ایک لفظ پڑھا۔ ماشاءاللہ بہت دل چسپ تھا۔ بہت محنت کی گئی۔ ہمدرد نونہال بچوں اور بڑوں میں بہت مقبول ہے۔ میں سب سے پہلے ''نونہال لغت'' اور ''جاگو جگاؤ'' پڑھتا ہوں، اس کے بعد دیگر مضامین۔ مضامین کے معاملے میں بڑی احتیاط برتی جاتی ہے۔ بچوں کی کردار سازی میں یہ رسالہ ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ **حبیب اشرف صبوحی، لاہور۔**

❁ جولائی کا شمارہ مجموعی طور پر بہت اچھا تھا۔ تمام کہانیاں بہت دل چسپ تھیں۔ واحد بھائی کی کارستانی (نوشاد عادل)، بلی کا محل (مسعود احمد برکاتی)، غرور کا سر (جاوید اقبال) نے نونہال میں چار چاند لگا دیے۔ روشن خیالات اور جاگو جگاؤ بہت اچھا تھا۔ اس بار مسکراتی لکیریں مزے دار نہیں تھیں۔ نظمیں بہت دل چسپ ہیں، جن میں علم، گرمی، آمدِ رمضان شامل ہیں۔ نونہال ادیب اور علم دریچے بھی ہمیشہ کی طرح مزے دار تھے۔ لغت اور معلومات افزا سے بھی علم میں اضافہ ہوا۔ **نیہا صفوان، کراچی۔**

❁ تمام تحریریں بالخصوص مسعود احمد برکاتی کی تحریر ''بلی کا محل'' اس کے علاوہ کبوتر یا فرشتہ (وقار محسن)، بھالو کا احسان، گھر اور گھونسلا اور بلاعنوان کہانی پسند آئی۔ ''واحد بھائی کی کارستانی'' ایک اچھی مزاحیہ تحریر تھی۔ ایسی تحریریں شائع ہوتی رہنی چاہییں۔ **ش۔م۔دانش، میانوالی۔**

❁ ساری کہانیاں بہت شان دار تھیں۔ واحد بھائی کی کہانی ایک بار پھر بازی لے گئی۔ انکل! آپ کے دادا کا نام کیا تھا؟ **سید انس علی، کراچی۔**

> آپ نے شاید میرے بارے میں کوئی تاریخی مضمون نہیں پڑھا ہے۔ میرے دادا کا نام مولانا حکیم سید برکات احمدؒ ہے۔

❁ جولائی کا ہمدرد نونہال خوب صورت کاوشوں کا مجموعہ تھا۔ پہلی بات اور اس مہینے کا خیال دل میں گھر کر گئے۔ کہانیوں میں گھر اور گھونسلا، میں بہرا ہوں اور بھالو کا احسان نے ہمارے دل جیت لیے۔ شمس القمر عاکف کی نظم ''آمدِ رمضان'' دل کی گہرائیوں میں اُتر گئی۔ سعید عبدالخالق بھٹہ کی کاوش ''عباسی حکمراں'' معلومات کا

خزانہ تھی۔ نونہال ادیب بہترین تھا۔ شازیہ فرخ جنجوعہ، ماہا مختار راجا، پنڈ دادن خان۔

❁ جولائی کا شمارہ بہترین تھا۔ ہر کہانی دوسری کہانی سے بڑھ کر تھی۔ واحد بھائی کی ایک اور کارستانی پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ کبوتر یا فرشتہ پڑھ کر اپنا پہلا روزہ یاد آ گیا۔ مجھے کتاب پیاری سی پہاڑی لڑکی منگوانے کا طریقہ کیا ہوگا؟ امثل عبدالجبار، حیدرآباد۔

۶۵ روپے کا منی آرڈر بھیج کر منگوا لیں۔ اپنا نام پتا پورا لکھیں۔

❁ جولائی کا شمارہ سرورق سے لے کر نونہال لغت تک پسند آیا۔ کہانیوں میں گھر اور گھونسلا اور بلاعنوان کہانی عمدہ تھیں۔ نظموں میں ''آمدِ رمضان'' اور ''گرمی'' اچھی تھیں۔ محمد افضل انصاری، لاہور۔

❁ جولائی کا شمارہ بہت دل چسپ اور اچھا تھا۔ کہانیوں میں کبوتر یا فرشتہ (وقار محسن)، بھالو کا احسان (محمد اقبال شمس)، واحد بھائی کی کارستانی (نوشاد عادل)، بلی کا محل (مسعود احمد برکاتی)، گھر اور گھونسلا (روبنسن سیموئل گل)، غرور کا سر (جاوید اقبال) یہ سب ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات اور روشن خیالات پہلے کی طرح بہت دل چسپ تھے۔ نام پتا نامعلوم۔

❁ جولائی کا شمارہ اچھا تھا۔ تمام تحریریں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں اور سرورق نے تو دل جیت لیا۔ سمعیہ وسیم، سکھر۔

❁ جولائی کا شمارہ بہت ہی پیارا تھا۔ سرورق تو بہت، بہت ہی خوب صورت تھا۔ جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ یقیناً بڑی محنت سے تیار کیا گیا تھا۔ جاگو جگاؤ میں اچھی نصیحتیں تھی۔ روشن خیالات تو ہمیشہ روشنی سے بھرپور ہوتے ہیں۔ حمد باری تعالیٰ میں عقیدت کے پھول بکھر رہے تھے۔ کہانیوں میں کبوتر یا فرشتہ بہت ہی عمدہ تھی۔ اس کے علاوہ بھالو کا احسان، واحد بھائی کی کارستانی تھوڑی کھٹی میٹھی تھی۔ بلاعنوان کہانی بھی زبردست تھی۔ علم دریچے اور نونہال ادیب بھی بہت ہی اچھے تھے۔ ہنسی گھر کا ہر لطیفہ ایک سے بڑھ کر ایک تھا۔ یعنی مجموعی طور پر سارا رسالہ ہی زبردست تھا۔ محمد اجمل شاہین انصاری، چوہنگ سٹی۔

❁ جولائی کا شمارہ لاجواب تھا۔ ہمدرد نونہال ایک معلوماتی رسالہ ہے۔ اس کی کوئی تحریر بے کار نہیں ہوتی۔ کہانیوں میں بلاعنوان کہانی پہلے نمبر پر تھی۔ بلی کا محل دوسرے اور واحد بھائی کی کارستانی تیسرے نمبر پر رہیں۔ باقی تمام تحریریں بھی اچھی لگیں۔ پہلی بات اور جاگو جگاؤ سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ حمد اور نعت بھی اچھی لگی۔ ماہم فاطمہ، رحیم یار خان۔

❁ جولائی کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ پہلی بات، جاگو جگاؤ اور روشن خیالات پڑھ کر مزہ آ گیا۔ کرن افضل، کراچی۔

❁ جولائی کا خوب صورت شمارہ پڑھا۔ سرورق رمضان کے مقدس مہینے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بنایا گیا تھا، لہٰذا بہت پسند آیا۔ تمام تحریریں معلومات سے بھرپور تھیں۔ علم دریچے اس بار بہت پسند آیا، کیوں کہ اس میں تمام تحریریں

دل چسپ، معلوماتی اور اصلاحی تھیں۔ کہانیوں میں کبوتر یا فرشتہ جو کہ ایک واقعہ تھا، دل چسپ تھا۔ ہنسی گھر میں بھی اس بار معیاری لطیفے تھے۔ تمام کہانیاں بھی بہت اچھی تھیں۔ غرض ہمدرد نونہال کا یہ شمارہ شروع سے آخر تک لاجواب تھا۔ **محمد ثاقب قمر، کراچی۔**

❁ جولائی کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ سب کہانیاں مزے دار تھیں۔ نونہال بہت اچھا، بہترین اور مفید رسالہ ہے۔ سرورق بہت خوب صورت تھا۔

اعراف نعیم الدین انصاری، جگہ نا معلوم۔

❁ جولائی کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ ہر کہانی اپنی جگہ مزے دار تھی۔ واحد بھائی کی کارستانی ایک بار پھر بازی لے گئی۔ سرورق بہت خوب صورت تھا۔ بلاعنوان کہانی بہت اچھی تھی۔ آپ معلومات افزا کے سوالات آسان دیا کریں۔ جاگو جگاؤ نے تو واقعی ہمیں جگا دیا۔ **لبنیٰ جبین، کراچی۔**

❁ جولائی کا شمارہ بہت ہی عمدہ ہے۔ سب سے بہترین کہانی بلاعنوان تھی۔ باقی پورا شمارہ خاص تھا۔ **محمد حبیب الرحمٰن، آمنہ بی بی، کراچی۔**

❁ جولائی کا شمارہ ہر شمارے کی طرح لاجواب تھا۔ ہر کہانی، ہر تحریر اور تمام سلسلے بہت اچھے تھے۔ روشن خیالات میں علامہ اقبال کا قول بہت ہی اچھا لگا۔

کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری، کراچی۔

❁ جولائی کا شمارہ اچھا لگا۔ تمام تحریریں بہت اچھی تھیں۔ بلاعنوان کہانی، واحد بھائی کی کارستانی، غرور کا سر اور علم دریچے پسند آئے۔ لطائف میں سے صرف دو لطیفے اچھے لگے۔ **نمیرا مسعود، کراچی۔**

❁ جولائی کے شمارے میں جو کہانیاں پسند آئیں ان میں بلاعنوان کہانی، گھر اور گھونسلا اور غرور کا سر شامل ہیں۔ واحد بھائی کی کہانیاں تو نونہال کو چار چاند لگا دیتی ہیں۔ انکل! آپ چھوٹے بچوں کی نظمیں کیوں نہیں چھاپتے۔ آپ جو نظمیں چھاپتے ہیں وہ تو بڑے بچوں کے لیے ہوتی ہیں۔ **عبیرہ صابر، کراچی۔**

> بہت چھوٹے بچوں کے لیے شاعر صاحبان نظمیں لکھتے ہی نہیں۔

❁ جولائی کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ ساری کہانیاں مزے دار تھیں۔ ہنسی گھر کے لطیفے بھی بہت اچھے تھے۔ سب سے اچھی کہانی بلاعنوان تھی۔ کبوتر یا فرشتہ، بھالو کا احسان بھی اچھی کہانیاں تھیں۔ واحد بھائی کی کارستانی سب پر سبقت لے گئی۔ **محمد ندیم بھٹی، سکھر۔**

❁ جولائی کا کھلکھلاتا ہوا ہمدرد نونہال ملا۔ کہانیوں میں بلی کا محل، بھالو کا احسان، گھر اور گھونسلا، کبوتر یا فرشتہ، غرور کا سر، بلاعنوان کہانی اور واحد بھائی کی کارستانی اچھی کہانیاں تھیں۔ **ابوزر صفوان، کراچی۔**

❁ جولائی کا شمارہ ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ سرورق تو بہت، بہت خوب صورت تھا۔ لطیفوں نے تو ہنسا ہنسا کر بُرا حال کر دیا۔ کہانیوں میں سب سے اچھی کہانی بھالو کا احسان اور غرور کا سر تھی۔ **اسریٰ خان، کراچی۔**

❁ جاگو جگاؤ رمضان کی مناسبت سے اچھا لگا۔ پہلی بات میں خیال: ''نیک کام کی قدر کرنا بھی نیکی ہے'' بہت اچھا لگا۔ کبوتر یا فرشتہ اور رمضان المبارک اور اخلاقی تربیت خوب صورت مضامین تھے۔ کہانیوں میں گھر اور گھونسلا، غرور کا سر اور میں بہرا ہوں اچھی لگی۔ واحد بھائی کی کارستانی پڑھ کر ہنسی نہیں آئی۔ عباسی حکمران معلوماتی مضمون تھا۔ نونہال ادیب بھی اچھا لگا۔ آیئے مصوری سیکھیں، علم دریچے، نظم گرمی اور آمدِ رمضان اچھی لگیں۔ **آمنہ، سعدیہ، عائشہ، ہانیہ، زہرہ، حسن، کراچی۔**

❁ جولائی کا رسالہ پڑھ کر دل خوش ہوگیا۔ جاگو جگاؤ سے لے کر نونہال لغت تک سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ **طوبیٰ احمد صدیقی، لسبیلہ۔**

❁ ہمدرد نونہال ہر لحاظ سے اچھا اور معیاری ہے۔ بہت سی مفید معلومات پڑھنے کو ملتی ہیں۔ آپ ہر ماہ معلومات افزا کی قرعہ اندازی کس تاریخ کو کرتے ہیں؟ **ایم اسلم مغل، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔**

۱۸ تاریخ کے بعد قرعہ اندازی شروع کر دیتے ہیں۔

❁ جب سے ہمدرد نونہال پڑھنا شروع کیا ہے، میری اردو میں بہتری آنا شروع ہوگئی۔ اس کے علاوہ اس سے ہمیں بہت سی معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں۔ میں شہید حکیم محمد سعید کی بہت شکر گزار ہوں، جنھوں نے بچوں کے لیے ایسا معلوماتی رسالہ نکالا۔ **رانیہ فرید، کراچی۔**

❁ جولائی کا شمارہ پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ واحد بھائی کی کارستانی (نوشاد عادل) بہت شان دار اور دل چسپ تھی۔ اس بار کی ساری کہانیاں بہت اچھی اور شان دار تھیں۔ **عبدالاحد صفوان، کراچی۔**

❁ اس بار کہانیاں مجھے بہت اچھی لگیں۔ واحد بھائی کی کارستانی، بھالو کا احسان، میں بہرا ہوں، کبوتر یا فرشتہ، غرور کا سر، بلی کا محل بہت اچھی تھیں۔ مستقل سلسلوں میں جاگو جگاؤ، پہلی بات، روشن خیالات بہت اچھے لگے۔ **شیزہ صفوان، کراچی۔**

❁ جولائی کے شمارے میں تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ خاص طور پر بھالو کا احسان، بلی کا محل، گھر اور گھونسلا اور بلاعنوان کہانی اچھی تھیں۔ **سیدہ مبین فاطمہ عابدی، پنڈ دادن خان۔**

❁ جولائی کا نونہال بہت زبردست تھا۔ کہانیوں میں کبوتر یا فرشتہ، بھالو کا احسان، واحد بھائی کی کارستانی، غرور کا سر اور بلاعنوان کہانی اچھی تھیں۔ کہانی بلی کا محل بھی اچھی تھی۔ اس کے علاوہ باقی تمام سلسلے بھی اچھے تھے۔ **عریشہ، آمنہ، جویریہ، سیف، محمد احمد، کراچی۔**

❁ میری دعا ہے کہ ہمدرد نونہال ہمیشہ ایسے ہی قائم دائم رہے۔ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ **جویریہ قمر، کراچی۔**

❁ جولائی کا شمارہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ میں نے پہلی دفعہ خط لکھا ہے۔ کہانیوں میں، میں بہرا ہوں، غرور کا سر اور بلاعنوان کہانی اچھی لگی۔ **محمد حسان، راولپنڈی۔**

❁ جولائی کا شمارہ بہت ہی شان دار اور زبردست تھا۔

سرورق بہت پیارا تھا۔ کہانیوں میں بلی کا محل، بھالو کا احسان، غرور کا سر اور بلاعنوان کہانی لاجواب تھیں۔ دعا ہے کہ ہمدرد نونہال اسی طرح ترقی کی منزلیں طے کرتا رہے۔ **نادیہ اقبال، کراچی۔**

❁ جولائی کے شمارے کی کہانیاں بہت زبردست تھیں۔ پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ جاگو جگاؤ، روشن خیالات، علم (نظم)، مسکراتی لکیریں، بلاعنوان کہانی، ہنسی گھر اور دیگر کہانیاں بہت مزے دار تھیں۔ **انوشہ بانو سلیم الدین، حیدرآباد۔**

❁ جولائی کا شمارہ بہت ہی لاجواب تھا۔ سرورق دیکھتے ہی دل باغ باغ ہو گیا۔ جولائی کا شمارہ ہماری توقع سے بھی بڑھ کر تھا۔ تمام کہانیاں بہت ہی زبردست تھیں۔ اس مہینے کا خیال بہت ہی شان دار تھا۔ روشن خیالات پڑھ کر ہمارا دماغ روشن ہو گیا۔ **سیدہ اریبہ بتول، لیاری، کراچی۔**

❁ جولائی کا شمارہ بھی بہت اچھا لگا۔ سرورق بہت پسند آیا۔ سبھی کہانیاں، لطیفے، بیت بازی، علم دریچے، نونہال ادیب، نظمیں اور مستقل سلسلے اچھے تھے۔ نونہال مصور مستقل رسالے کی جان ہے۔ **بہادر علی حیدر، نوشہرو فیروز۔**

❁ جولائی کا شمارہ بھی بہت زبردست تھا۔ تمام کہانیاں اور لطیفے بھی بہت اچھے تھے۔ کہانیوں میں واحد بھائی کی کارستانی اور گھر اور گھونسلا بہت پسند آئی۔ **علیزہ سہیل، کراچی۔**

❁ ہمدرد نونہال سے نصیحت آموز باتیں سیکھنے کو ملتی ہیں۔ نونہال میں ہر کہانی سبق آموز ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ علم و عرفان پہ مبنی خوب صورت تحریریں بھی دل جیت لیتی ہیں۔ **عبدالجبار رومی انصاری، لاہور۔**

❁ جولائی کا شمارہ زبردست تھا۔ جاگو جگاؤ سے نونہال ادیب تک ایک ایک چیز سپرہٹ تھی۔ کیا ہم کوئی نظم اس کے شاعر کے نام کے ساتھ بھیج سکتے ہیں؟ میں بھی نونہال بک کلب کا ممبر بننا چاہتا ہوں۔ **عبدالسمیع محمد ایوب، کراچی۔**

ضرور بھیجیں، لیکن نظمیں بچوں کے معیار کی ہوں۔ نونہال بک کلب کارڈ بھی آپ کو بھیج دیا جائے گا۔

❁ کہانیاں سب ہی مزاح اور لطف سے بھرپور تھیں۔ جیسے کبوتر یا فرشتہ، بھالو کا احسان، بلی کا محل، گھر اور گھونسلا، غرور کا سر یہ سب رسالے کو اعلا بنانے میں پیش پیش تھیں۔ **سیدہ عائشہ خلیق الرحمٰن، کراچی۔**

❁ جولائی کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ سب کہانیاں اچھی تھیں۔ واحد بھائی کی کارستانی بھی اچھی کہانی تھی۔ **اسما جبیں، کراچی۔**

❁ ہمدرد نونہال، ہم نونہالوں کے لیے کیا حیثیت رکھتا ہے۔ کیا بتاؤں بس یوں سمجھ لیجیے کہ میرے پاس ہمدرد نونہال کے لیے الفاظ تو ہیں، مگر آپ کے پاس صفحات نہیں۔ **محمد اذعان خان، کراچی۔**

❁ جولائی کا رسالہ بہت اچھا تھا۔ سرورق بہت خوب صورت تھا۔ کہانیوں میں بلی کا محل، واحد بھائی کی کارستانی سپرہٹ تھیں۔ **وقار احمد تینو، گھوٹکی۔**

نونہال لغت

لفظ	تلفظ	معنی
شارح	شا رِ ح	کھول کر بیان کرنے والا ۔ شرح کرنے یا لکھنے والا ۔
دَہر	دَ ہْ ر	دنیا ۔ زمانہ ۔ وقت ۔
اَخذ	اَ خْ ذ	لینے یا حاصل کرنے کا عمل ۔ نقل ۔
اُڑسنا	اُ ڑَ سْ نا	اٹکانا ۔ ٹانگنا ۔ الجھنا ۔ شلوار کے نیفے میں کوئی چیز پھنسالینا ۔
حُجّت	حُ جْ جَ ت	دلیل ۔ تکرار ۔ جھگڑا ۔ اعتراض ۔
کُلفت	کُ لْ فَ ت	رنج ۔ تکلیف ۔ مصیبت ۔ رنجش ۔
طِینت	طِ یْ نَ ت	سرشت ۔ طبیعت ۔ عادت ۔
وَحشت	وَ حْ شَ ت	گھبراہٹ ۔ دیوانگی ۔ جنون ۔ اداسی ۔ خوف ۔
رُشد	رُ شْ د	راہ راست پر ہونا ۔ ہدایت پانا ۔ ہوش سنبھالنا ۔
بے چُون وچرا	بے چُو نُو چَ رَا	کسی عذر کے بغیر ۔ بے دلیل ۔ بے حجت ۔
گارا	گ ا رَ ا	گندھی ہوئی مٹی ۔ گاڑھی کیچڑ ۔
مُدعی	مُ دْ دَ عِ ی	دعوا کرنے والا ۔ دعوے دار ۔ سائل ۔
مُدعاعلیہ	مُ دْ دَ عَا عَ لَ یْ ہ	وہ شخص جس پہ دعوا کیا جائے ۔
جَولانی	جَ وْ لَا نِی	ولولہ ۔ جوش ۔ امنگ ۔ چستی ۔ پھُرتی ۔ تیزی ۔
خَلفشار	خَ لْ فَ شَا ر	گڑبڑ ۔ کھلبلی ۔
بَھرم	بَھ رَ م	عزت ۔ آبرو ۔ بھروسا ۔ ساکھ ۔ اعتبار ۔
تَنقید	تَ نْ قِی د	جانچ ۔ پرکھ ۔ تمیز ۔ کھرے کھوٹے میں تمیز ۔ نظم یا نثر پر غیر جانبدارانہ اظہار رائے ۔